زندگی بے بندگی شرمندگی

۱۰

قوّتیں

بنتُ الاسلام

Marfat.com

Marfat.com

زندگی بے بندگی شرمندگی

(حصّہ: ۱۰)

قوتیں

بنت الاسلام

ادارہ بتول ---------- لاہور

M 286432
DATA ENTERED

Marfat.com

297-162
ب 746 ق
۱۲۵۷۳۲

طابع وناشر : ـــــــــــ ادارہ بتول لاہور

مطبع : ـــــــــــ اے، ایچ، ایس پرنٹرز

بار اول : ـــــــــــ ۱۹۸۴ء

بار پنجم : ـــــــــــ ۱۹۹۲ء

ہدیہ : ـــــــــــ ۴۵ روپے

بار ششم : ـــــــــــ ۱۹۹۵ء

بار ہفتم : ـــــــــــ ۱۹۹۶ء

ترتیب

تعارف ۷

(حیا و پاکدامنی) ۱۱

- حیا اور پاکدامنی کی اہمیت، مفہوم اور تاکید ۱۳

مفہوم ۱۳

حیا کی فضیلت اور اہمیّت ۱۵

پاکدامنی کی اہمیّت اور تاکید ۱۹

فواحش کی ممانعت ۲۱

بدکاری کی اُخروی اور دنیوی سزائیں ۲۳

- پاکدامنی قائم رکھنے کے ذرائع ۲۷

نکاح ۲۷

پردہ ۲۹

محرم اور نامحرم کے بارے میں ہدایات ۴۲

ستر ۴۶

- معاشرے کی فضا کی پاکی کا بندوبست ۵۲

نگاہ کی حفاظت کرنے کا حکم ۵۲

اپنے عیب اعلانیہ بیان کرنے کی ممانعت ۵۵
تہمتیں لگانے کی سزا ۵۸
فحاشی پھیلانے کی ممانعت ۵۹

امانت و دیانت

(امانت و دیانت) ۶۱

• امانت، دیانت اور خیانت ۶۳
مفہوم ۶۳
دیانت کی فضیلت اور خیانت کی ممانعت ۶۷

• دیانتداری کی راہ کی آزمائشیں ۸۰
دنیا کی محبّت ۸۳
حرصِ جاہ ۸۷
حرصِ مال ۹۳

• دیانت داری کے محرّکات ۱۰۳
غریبی اور گمنامی کی فضیلت کا احساس ۱۰۳
قناعت و سیر چشمی ۱۰۷
فلاحِ آخرت کی تمنّا ۱۱۳
اعتدال کے ساتھ سادگی ۱۱۷
دیانت پھیلانے میں خواتین کا کردار ۱۲۰

Marfat.com

• حکمرانوں کی دیانت ۱۲۴

بیت المال کی حفاظت ۱۲۸

رعایا کی خبرگیری اور خیر خواہی ۱۳۵

اہل افسروں کی تقرری اور ان کی نگرانی ۱۴۱

اشاعتِ اسلام ۱۴۸

کنبہ پروری سے پرہیز ۱۵۱

غیر مسلم رعایا کے حقوق کا خیال ۱۵۲

رعایا کو حقِ تنقید دینا ۱۵۴

سادگی، تقویٰ اور خوفِ آخرت ۱۵۶

• سرکاری ملازمین کی دیانت ۱۶۰

فرض شناسی ۱۶۱

عوام کی خیر خواہی اور خدمت ۱۶۲

قومی دولت کی حفاظت ۱۶۲

کنبہ پروری سے بچنا ۱۶۵

کاموں کو لٹکائے رکھنے سے پرہیز ۱۶۶

اچھا مشورہ ۱۶۷

رشوت خوری سے پرہیز ۱۶۹

قاضی کی دیانت ۱۷۴

عدل وانصاف ۱۷۵

Marfat.com

• تاجر کی دیانت ۱۸۴

ناپ تول میں کمی کرنے سے پرہیز ۱۸۵

ملاوٹ اور عیب والی چیز نہ بیچنا ۱۸۶

سچ بولنا ۱۸۹

ذخیرہ اندوزی سے پرہیز ۱۹۱

دیانت دار تاجر کی فضیلت ۱۹۲

• دیانت کی درخشاں مثالیں ۱۹۴

حرفِ آخر ۱۹۶

Marfat.com

تعارف

پیشِ نظر کتاب اس سلسلے کا دسواں حصّہ ہے۔ اس سے پہلے مندرجۂ ذیل نو کتب شائع ہو چکی ہیں۔

۱۔ آخرت
۲۔ حُبِّ الٰہی
۳۔ داعی کے اوصاف
۴۔ نفس کا تزکیہ
۵۔ صلوٰۃ و زکوٰۃ
۶۔ صیامِ رمضان و حجِ بیت اللّٰہ
۷۔ حقوق العباد
۸۔ علم
۹۔ اخوّتِ اسلامی

اس کتاب کا نام "قوّتیں" رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں ان اخلاق سے بحث کی گئی ہے جن کا کسی قوم میں پایا جانا اُس کے لیے طاقت و قوّت اور عزّت و سربلندی کا باعث بنتا ہے۔ جس قوم کے افراد میں حیا و پاک دامنی، امانت و دیانت اور قناعت و سیرچشمی ہو گی اور جن کے دل جاہ و مال کی حرص سے خالی ہوں گے، ان کے کردار میں وہ رفعت اور وقار ہو گا کہ ان کے دشمن بھی اُن کا احترام کرنے پر مجبور ہو جائیں گے اور جہاں تک طاقت و قوّت کا

Marfat.com

تعلق ہے، اگرچہ اکثریت یہی سمجھتی ہے کہ کسی قوم کی قوّت و طاقت یہ ہے کہ اس کے پاس وسائل و ذرائع زیادہ ہوں، اس کی جنگی طاقت مضبوط ہو اور اس کے باشندے معروف معنوں میں تعلیم یافتہ اور تربیت یافتہ ہوں۔ تاہم یہ بھی ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ اگر کسی قوم کے باشندے بدچلن اور جاہ و مال کے حریص ہوں تو قوّت کے ان سارے سرچشموں کے باوجود بھی وہ دشمنوں کے آگے کمزور اور عاجز ثابت ہو سکتی ہے۔ جس معاشرے میں پاکدامنی اور پاکبازی کو نظر انداز کیا جاتا ہوگا، وہاں "دل لگی" اور "تفریح" کی ایسی شکلیں عام ہو جائیں گی جو نہ صرف یہ کہ شرمناک ہوں گی بلکہ انجام کار اُس معاشرے کی بربادی کا باعث بھی بنیں گی۔ تاریخ کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ بڑی بڑی زبردست تہذیبیں جب انحطاط اور انجام کار زوال کا شکار ہوئیں تو جن افعال و اعمال نے انہیں اس انجام تک پہنچایا ان میں عموماً جنسی بے راہروی ضرور ہوتی تھی۔ ایسے ہی جس معاشرے میں جاہ و مال کی حرص عام ہوگی وہاں آسانی سے ایسے غدّار مل جائیں گے جنہیں ذاتی فوائد کی خاطر پوری قوم کو داؤ پر لگا دینے میں بھی کوئی باک نہ ہوگا۔

اس کے برعکس جب معاشرے میں حیا و پاکدامنی کا چلن ہوگا وہاں گھروں کے اندر کی فضا پُرامن اور پُر اعتماد ہوگی اور باہر معاشرے میں بھی وہ شرمناک اور مضر سرگرمیاں پھیلنے نہیں پائیں گی جو معاشرے کے افراد کی صحت، دولت اور وقت کا بہت سا حصّہ چاٹ جاتی ہیں۔ یہی صحت، دولت اور وقت جب ان شرمناک اور مضر سرگرمیوں سے بچ کر مفید کاموں پر صرف ہوتے ہیں تو قوم کے لیے قوّت اور طاقت کا باعث بنتے ہیں۔ ایسے ہی جب قوم میں امانت و دیانت ہوگی، وہ ایک طرف تو رشوت خوری، کنبہ پروری، غبن، چوری، ڈکیتی،

Marfat.com

سود خوری، قمار بازی، ذخیرہ اندوزی، چور بازاری، سٹہ بازی، ناپ تول میں کمی، ملاوٹ، دھوکہ دہی، اور ایسی ہی اور بے شمار بیماریوں سے بچ جائے گی جو آہستہ آہستہ قوموں کو لب گور کر دیتی ہیں اور دوسری طرف حسنِ معاملہ، فرض شناسی، حلال روزی حاصل کرنے کی تڑپ، حرام سے بچنے کا جذبہ اور ملک و ملت کے حقوق ادا کرنے کا گہرا احساس اسے قوت کے وہ خزانے عطا کرے گا جو مال و دولت، اسلحہ جنگ، تعلیم یافتہ عوام اور تربیت یافتہ فوج کی طرح آنکھوں سے نظر تو نہیں آتے مگر ہر مشکل اور ہر آسانی کے وقت قوم کے لیے اصلی، صحیح اور پائیدار فائدے ثابت ہوتے ہیں۔

دعا ہے کہ ان دونوں اوصاف کے متعلق قرآن پاک، احادیث نبویہ، سلف صالحین اور اہل بصیرت علماء کی تعلیمات میں سے جو کچھ اس کتاب میں بیان کیا گیا ہے وہ پڑھنے والوں کے لیے ہدایت کا ذریعہ بنے اور اللہ رب العالمین ملت اسلامیہ کو حیا و پاکدامنی اور امانت و دیانت کے اوصاف سے زیادہ سے زیادہ سرفراز فرمائے۔ آمین۔

بنت الاسلام

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(۱)

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے حیائی جس چیز میں بھی ہوتی ہے اسے عیب دار بنا دیتی ہے اور حیا جس شے میں بھی ہوتی ہے اسے زینت دیتی ہے۔ (ترمذی)

حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے ابوسُفیان نے بیان کیا اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کی تو کہا کہ (حضورؐ) ہمیں نماز (پڑھنے) زکوٰۃ (ادا کرنے) رشتے داروں سے حسنِ سلوک کرنے اور پاکدامنی (اختیار کرنے) کا حکم فرمایا کرتے تھے۔ (بخاری)

(۲)

حضرت کعبؓ بن مالک انصاری بیان کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دو بھوکے بھیڑیے جو بکریوں میں چھوڑ دیے جائیں وہ بکریوں کو اس سے زیادہ تباہ و برباد نہیں کریں گے جتنا انسان کا مال و جاہ کا لالچ اس کے دین کو تباہ و برباد کرتا ہے۔

(ترمذی)

Marfat.com

حیا و پاک دامنی

Marfat.com

Marfat.com

حیا و پاک دامنی کی اہمیت و تاکید

مفہوم کوئی فحش، گناہ آلود یا ناپسندیدہ کام یا بات کرنے کے خیال سے دل میں جو جھجک، تامّل اور بے چینی پیدا ہوتی ہے، اُسے "حیا" کہا جاتا ہے اور یہ حیا برائیوں کی راہ کی ایک بہت ہی بڑی رکاوٹ ہوتی ہے۔ جس شخص کے دل کی کیفیت ایسی ہو کہ جب وہ کسی بُرے کام یا بُری بات کو کرنے کا خیال کرے تو اس کے دل کے اندر سے ایک احتجاج اُٹھ کھڑا ہو کہ "یہ بُرائی ہے اور اسے کرنا شرمناک ہے" تو کہا جائے گا کہ اس شخص میں حیا ہے۔ یہ حیا جتنی زیادہ ہوگی اور اس کا اس شخص کے دل پر جتنا زیادہ قابو ہوگا اتنا ہی وہ شخص برائیوں سے زیادہ محفوظ رہے گا۔ کیونکہ جب کبھی بھی وہ کسی بُرائی کی طرف مائل ہوگا اس کی حیا اس کے دل میں ایک اضطراب پیدا کر دے گی۔ یہاں تک کہ آخر اُسے اسی میں سکون ملے گا کہ اس بُرائی کا خیال چھوڑ دے۔

ایسے ہی جو کام انسان کے لیے فرض کی حیثیت رکھتا ہو، اُس سے جان بچانے کا خیال کرتے ہوئے دل میں جو شرمندگی اور فرض ناشناسی کا احساس پیدا ہوتا ہے، وہ بھی حیا ہے اور یہ حیا بھی دل کو ایسے اضطراب میں مبتلا کر دیتی ہے کہ آخر اس فرض سے جان چُرانے کا خیال کرنے والے کو اسی میں سکون ملتا ہے کہ وہ اس فرض کو ادا کرے اور اس سے جان چُرانے کی کوشش نہ کرے۔

مختصر یہ کہ جو کچھ نہیں کرنا چاہیے، اُسے کرنے اور جو کچھ کرنا چاہیے اسے نہ کرنے

Marfat.com

کے خیال سے دل میں جو جھجک، شرمندگی اور بے قراری پیدا ہوتی ہے اس کا نام حیا ہے اور جس انسان کی قلبی کیفیت ایسی ہو کہ کسی بُرے کام کو کرنے یا کسی بُری بات کو منہ سے نکالنے یا کسی فرض سے منہ موڑنے کے خیال ہی سے وہ جھجک اور بے چینی کا شکار ہو جاتا ہو، اس کے متعلق کہا جائے گا کہ وہ "حیا دار" ہے۔

اس کے برعکس جو شخص بُرائی کی طرف جاتے ہوئے کوئی جھجک محسوس نہ کرے اور اسے اس طرف جانے سے روکنے کے لیے اس کے دل سے کوئی آواز نہ اُٹھے اور جب وہ کسی فرض سے جان بچانے کا خیال کرے تو اسے اس پر ذرا بھی شرم نہ آئے نہ اس کے دل میں فرض ناشناسی کا احساس پیدا ہو تو ایسے شخص کے متعلق کہا جائے گا کہ وہ "بے حیا" ہے اور اس بے حیا کے لیے پھر برائی اور فرض ناشناسی کی راہیں کھلتی چلی جائیں گی اور وہ ان پر آگے سے آگے بڑھتا چلا جائے گا۔ کیونکہ راستے میں کوئی روک ٹوک کرنے والا نہیں ہوگا۔ یعنی اس کے دل میں حیا نہیں ہوگی، جو اسے برائی اور فرض ناشناسی سے روکے۔

"حیا" جہاں اور بہت سے پسندیدہ اوصاف کی راہ ہموار کرتی ہے وہاں پاکدامنی کی بھی بہت بڑی مددگار رہتی ہے۔ یعنی حیا کے باعث، پاک دامنی قائم رہتی ہے۔ پاک دامنی کیا ہے؟ — انسان کی عصمت و عفّت کا محفوظ رہنا۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو دو جنسوں میں تقسیم کر رکھا ہے اور ان میں ایک دوسرے کے لیے شدید قسم کی کشش رکھ دی ہے۔ مگر ان کے درمیان جنسی تعلقات کو نکاح کی قید کے ساتھ مقیّد کر دیا ہے۔ جو مرد یا عورت اس پابندی کو پورے طور پر ملحوظ رکھے اور زندگی گزارتے ہوئے کبھی سرِ مُو بھی اس سے انحراف نہ کرے۔ وہ باعصمت، عفیف اور پاکباز و پاکدامن ہے لیکن جو مرد یا عورت اس پابندی کو توڑ دے اور اپنے آپ کو اس مقدس قید سے آزاد کرلے، وہ بدچلن اور بدکار ہے اور بدکاری اسلام میں بہت بڑا اور انتہائی گھناؤنا

Marfat.com

گناہ سمجھا گیا ہے۔

حیا اور پاک دامنی کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ کیونکہ حیا انسان کو اُن تمام فحش باتوں سے روک لیتی ہے جو انسان کی پاک دامنی کو خراب کرتی ہیں یا اس پر دھبے لگانے والی ہوتی ہیں۔ ایمان کے بعد ایک مسلمان مرد یا عورت کا سب سے بڑا حسن اُس کی پاکدامنی ہے۔ انبیاءؑ اور صالحینؒ نے ہمیشہ اپنی پاکدامنی کی حفاظت کی اور اپنے پیروؤں کو بھی پاک دامن رہنے کی نصیحت فرمائی۔

آئندہ اوراق میں پہلے حیا کا بیان ہوگا کیونکہ حیا پاکدامنی کے لیے بنیاد کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کے بعد وہ تعلیمات پیش کی جائیں گی جن کا تعلق پاکدامنی کے ساتھ ہے۔ اس کے ضمن میں یہ بھی بیان ہوگا کہ فرد کی پاکدامنی قائم رکھنے کے لیے اور معاشرے کی فضا کو پاکیزہ رکھنے کے لیے اسلامی تعلیمات میں کن کن امور پر زور دیا گیا ہے۔

حیا کی اہمیّت اور فضیلت

حضرت ابومسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ اگلی نبوّت کی باتوں میں سے لوگوں نے جو کچھ پایا ہے، اس میں سے ایک یہ مقولہ بھی ہے کہ جب تم میں شرم و حیا نہ ہو تو پھر جو جی چاہے کر۔ (بخاری)

یہ وہی بات ہے جو اوپر نوٹ میں بیان کی جا چکی ہے کہ حیا انسان کو برائیوں کی طرف جانے سے روکتی ہے۔ لہٰذا جب حیا ہی ختم ہو جائے تو پھر انسان اس بات کے لیے آزاد ہو جاتا ہے کہ جو گناہ بھی اس کے بس میں ہو اس کا ارتکاب کر گزرے حیا اُس کی زبان اور دوسرے اعضائے جسم سب کو قابو میں رکھتی ہے اور انہیں کسی ایسے کام کی اجازت نہیں دیتی جس پر لفظ گناہ یا بُرائی کا اطلاق ہو سکے۔ اس کے برعکس جس کے دل سے حیا نکل جاتی ہے اس کے لیے بدلحاظی سے لے کر بدکاری تک ہر قسم کے گناہ اور ہر نوعیت کی خرابی کے دروازے کھُل جاتے ہیں۔ حالات ہی ایسے

Marfat.com

کسی گناہ کا ارتکاب کرنے کی اجازت نہ دیں تو علیحدہ بات ہے، ورنہ اس کی راہ میں کوئی حقیقی رکاوٹ موجود نہیں ہوتی اور وہ کسی وقت بھی کسی گھناؤنے سے گھناؤنے گناہ کا ارتکاب کر سکتا ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ ایمان (کے درخت) کی ساٹھ سے کچھ اوپر شاخیں ہیں اور حیا بھی ایمان کی ایک شاخ ہے۔ (یا ایمان کے ساٹھ سے کچھ اوپر حصے ہیں اور حیا بھی ایمان کا ایک حصّہ ہے۔) (بخاری)

حیا کے ایمان کی شاخ یا ایمان کا ایک حصّہ ہونے کا تقاضا پھر یہ ہے کہ جس میں حیا نہ ہوگی اس کے ایمان میں نقص واقع ہو جائے گا۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کا گزر ایک شخص پر ہوا جو اپنے بھائی کو حیا کے بارے میں نصیحت کر رہا تھا (اور اسے سمجھا رہا تھا کہ تم بہت زیادہ حیا کرتے ہو اتنی نہیں کرنی چاہیے) تو رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اُس (نصیحت کرنے والے) سے فرمایا کہ اسے چھوڑ دے (یعنی اسے حیا چھوڑنے کی نصیحت نہ کر) کیونکہ حیا تو ایمان کا ایک جزء ہے (یا ایمان کا پھل ہے)

(موطّا)

حیا دار انسان چونکہ دوسروں کا لحاظ کرنے والا ہوتا ہے اس لیے کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ لحاظ لحاظ ہی میں وہ شاطر لوگوں سے نقصان بھی اٹھاتا ہے، بظاہر یہی محسوس ہوتا ہے کہ کوئی ایسا ہی لحاظ کرنے والا باحیا انسان تھا جسے اس کا بھائی ہمدردی کے باعث نصیحت کر رہا تھا کہ اتنی حیا نہ کیا کرو جو نقصان دہ ہو جس پر حضورؐ نے فرمایا کہ اسے چھوڑ دو کیونکہ حیا تو ایمان کا ایک جزء ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حیا سے اگر کبھی کبھار کوئی تھوڑا بہت نقصان پہنچ جاتا ہے تو اس کے مقابلے میں اس کے فوائد بہت زیادہ ہوتے ہیں۔ اس حدیث کی تشریح ایک جگہ یوں بھی

Marfat.com

کی گئی ہے کہ وہ شخص جسے اس کا بھائی حیا کے بارے میں نصیحت کر رہا تھا، ایماندار نہیں تھا اور اُس کا بھائی اُسے حیا اختیار کرنے کی نصیحت کر رہا تھا۔ اس پر حضورؐ نے فرمایا کہ اسے چھوڑ دے کیونکہ حیا تو ایمان کا جزء ہے۔ یعنی اگر یہ ایماندار ہی نہیں تو حیا کیسے اختیار کرے گا۔ اصل میں اس حدیث میں جو الفاظ استعمال ہوئے ہیں ان میں اتنی عمومیت ہے کہ یہ دونوں مطالب نکل سکتے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

یہاں اس حدیث کو بیان کرنے سے جو اصل مقصد ہے، وہ یہ واضح کرنا ہے کہ حضورؐ نے حیا کو ایمان کا جزء قرار دیا۔ حیا کے ایمان کا جزء ہونے کا مطلب یہ بتایا جاتا ہے کہ ایمان اور حیا ایک ہی طرح کے نتائج پیدا کرتے ہیں۔ یعنی ایمان بھی برائیوں سے روکتا ہے اور حیا بھی۔ لہٰذا حیا ایمان کا ایک حصّہ ہے۔

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ بے حیائی جس چیز میں بھی ہوتی ہے اُسے عیب دار بنا دیتی ہے اور حیا جس شئے میں بھی ہوتی ہے اسے زینت دیتی ہے۔ (ترمذی)

اس حدیث میں حضورؐ نے نہایت خوبصورت انداز میں حیا کی تعریف فرمائی ہے۔ زینت کی ایک شکل تو یہ ہے کہ انسان کا ظاہری جسم مزیّن ہو اور دوسری قسم یہ ہے کہ اس کے اخلاق و عادات، طور طریقے اور دوسروں سے ملنے جلنے کا انداز آراستہ ہو۔ زینت جب بھی کی جاتی ہے عموماً اس کا مقصد اپنے دل کو خوش کرنا اور دوسروں کے دلوں میں اپنی کشش پیدا کرنا ہوتا ہے۔ بلاشبہ ظاہری زینت بھی ایک حد تک یہ مقصد پورا کرتی ہے۔ مگر جس زینت سے اپنے دل کو سچا سکون اور دوسروں کے دلوں میں پائدار کشش پیدا ہوتی ہے، وہ اخلاق و عادات اور طور طریقوں کی زینت ہے۔ انسان طبعاً اچھائی پسند واقع ہوا ہے۔ لہٰذا ہم دیکھتے ہیں کہ کوئی شخص خود جیسا بھی ہو وہ نیکو کاری کی کشش سے

Marfat.com

متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا۔ حیادار انسان نہ فحش باتیں کرتا ہے، نہ کسی سے بدلحاظی سے پیش آتا ہے۔ وہ ان اعضائے جسم کو ڈھانپ کر رکھتا ہے جنہیں خدا نے ڈھانپ کر رکھنے کا حکم فرمایا ہے۔ اس کی نگاہ میں بیباکی نہیں ہوتی، اور اگر وہ عورت ہو تو غیر مردوں کے ساتھ اور اگر مرد ہو تو غیر عورتوں کے ساتھ بے باکانہ اور گنہ گارانہ طور پر خلط ملط نہیں ہوتا۔ اس کا دل گناہ کے خیال سے لذت نہیں لیتا۔ وہ اپنے فرائض تندہی سے ادا کرتا ہے اور دوسروں کے جو حقوق اس کے ذمے ہوتے ہیں ان کی ادائیگی کا پورا احساس رکھتا ہے۔ اس کے لباس، چال ڈھال، نشست و برخاست، میل جول غرضیکہ ہر ہر حرکت سے اس کی حیا جھلک رہی ہوتی ہے اور وہ اپنی پاکدامنی کی پوری پوری حفاظت کرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسا انسان معاشرے کے افراد کے لیے ضرر رساں نہیں بلکہ نفع رساں ہوتا ہے۔ ایک تو اس کی شخصیت کی یہ خوبی کہ وہ دوسروں کو فائدہ پہنچانے والا ہوتا ہے، لوگوں کے دلوں میں اس کے لیے کشش پیدا کرتی ہے۔ دوسرے انسان چونکہ طبعاً بھی نیکی پسند واقع ہوا ہے اس لیے بھی وہ حیادار انسان کی سیرت اور کردار کے حسن سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا۔ حضور ؐ کے اخلاقِ عالیہ میں بھی حیا کو خاص اہمیت حاصل ہے۔

حضرت ابوسعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم پردے والی کنواری لڑکی سے بھی زیادہ باحیا تھے۔ جب آپؐ کوئی ایسی شے دیکھتے جو آپؐ کو ناپسند ہوتی تو ہم آپؐ کے چہرے (کی کیفیت) سے پہچان لیتے (کہ یہ آپؐ کو ناپسند ہے) (بخاری)

کنواری پردہ دار لڑکی کو حیا کے معاملے میں بطور نمونہ پیش کیا جاتا ہے۔ راوی بیان کرتے ہیں کہ حضورؐ اس سے بھی زیادہ باحیا تھے۔ جب آپؐ کو کوئی شے ناپسند ہوتی تو اگر لحاظ کے باعث آپؐ منہ سے کچھ نہ فرماتے تو بھی آپؐ

Marfat.com

کے چہرے کی کیفیت سے ہم سمجھ جاتے کہ آپ کو یہ شے ناپسند ہے۔

صالحین نے بھی حیا کے بارے میں خاص تاکید فرمائی ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کا فرمان ہے کہ "جو قوم بے حیائی کی طرف قدم بڑھائے گی اللہ اسے مصیبتوں میں مبتلا کرے گا۔"

ایسے ہی امام شافعیؒ کا مقولہ ہے کہ "بے حیا کی صحبت قیامت کے دن رسوائی کا باعث ہو گی۔"

پاکدامنی کی اہمیت اور تاکید

سورۂ نور میں اللہ تعالیٰ نے جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا ہے کہ مومن مردوں سے کہہ دیں کہ

يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ۔ (آیت ۳۰)

"اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔"

اور مومن عورتوں سے بھی کہہ دیں کہ

يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ۔ (آیت ۳۱)

"اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔"

ایسے ہی حضورؐ کے ارشادات سے بھی یہی پتہ چلتا ہے کہ اسلام میں پاکدامنی پر خصوصی زور دیا گیا ہے اور بدکاری کی شدید مذمت کی گئی ہے۔

حضرت ابن عباس رضؓ بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے ابوسفیان نے بیان کیا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کی تو کہا کہ (حضورؐ) ہمیں نماز (پڑھنے) زکوٰۃ (ادا کرنے) رشتے داروں سے حسن سلوک کرنے اور (پاکدامنی اختیار کرنے) کا حکم فرمایا کرتے تھے۔ (بخاری)

انسانی زندگی کو سکھی بنانے میں پاکدامنی کو جو حیثیت حاصل ہے اسے ہر

Marfat.com

عقلمند انسان تسلیم کرتا چلا آیا ہے۔ معاشرہ جن اکائیوں پر مشتمل ہوتا ہے وہ گھر ہوتے ہیں، جہاں میاں بیوی اپنی اولاد کو تعلیم و تربیت دے کر معاشرے کے لیے تیار کرتے ہیں۔ ان گھروں کا امن چین اور میاں بیوی کا باہمی اتفاق و اتحاد جو نئی نسل کی تعلیم و تربیت کے لیے حد درجے ضروری ہے بہت حد تک پاکدامنی پر منحصر ہوتا ہے۔ شروع سے انسانیت کی رہنمائی کرنے والے نیکوکار لوگ پاکدامنی پر زور دیتے چلے آئے ہیں اور ایسے ڈھیٹ اور بے حیا لوگوں کی تعداد عموماً کم رہی ہے جو پاکدامنی پر کھلے بندوں اعتراض اور بدکاری کی کھلے بندوں حمایت کرتے ہوں۔

حضرت مُغیرہؓ بیان کرتے ہیں کہ حضرت سعدؓ بن عُبادہؓ نے کہا کہ اگر میں کسی شخص کو اپنی بیوی کے ساتھ پاؤں تو اُسے تلوار کے عرض سے نہیں بلکہ اُس کی دھار سے مار ڈالوں۔ اس پر رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے (صحابہؓ کو مخاطب کر کے) فرمایا کہ کیا تم لوگوں کو سعدؓ کی غیرت پر تعجب آتا ہے (سن لو کہ) میں سعدؓ سے زیادہ غیرت مند ہوں اور اللہ تعالیٰ مجھ سے بھی زیادہ غیرت مند ہے۔ (بخاری)

حضرت عائشہ صدیقہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلّم) کی امّت، اللہ سے زیادہ کوئی اس بات پر غیرت کرنے والا نہیں کہ اپنے بندے یا اپنی کنیز کو بدکاری کرتے دیکھے۔ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلّم) کی امّت، اگر تم لوگ وہ جانتے جو میں جانتا ہوں تو تم کم ہنستے اور زیادہ روتے۔ (بخاری)

اللہ تعالیٰ کا بدکاری کے معاملہ میں سب سے زیادہ غیرت مند ہونا واضح کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں پاکدامنی کو بہت زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ حدیث کے آخر میں حضورؐ کے فرمائے ہوئے مؤثر جملے ہیں معانی کا ایک سمندر

Marfat.com

بند ہے۔ انسان کا بے دھڑک خدا کے احکام کی نافرمانی کرتے رہنا اور غفلت کا شکار ہو کر ہنستے پھرنا اسی لیے ہے کہ وہ اپنے انجام سے غافل ہے اُسے اس بات کا پورا احساس نہیں کہ زندگی میں کی جانے والی بداعمالیوں سے جو ناپاک لذّت ملتی ہے وہ تو انتہائی عارضی ہوتی ہے مگر ان کی سزا کے طور پر جو عذاب ملنا ہے وہ اتنا ہولناک ہوگا جسے ایک لمحے کے لیے بھی سہنا ناقابل برداشت ہوگا۔ کجا یہ کہ وہ قیامت تک جاری رہے یا دائمی ہو جائے !!!۔

فواحش کی ممانعت

سورۃ الانعام آیت ۱۵۱ میں بیان فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کیا کیا چیزیں حرام ٹھہرا دی ہیں۔ ان میں ایک یہ ہے کہ:

وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ؃

اور بے شرمی کی باتوں کے قریب بھی نہ جاؤ، خواہ وہ کھلی ہوں یا چھپی۔

(الانعام: ۱۵۱)

تفہیم القرآن اور معارف القرآن میں اس لفظ "فواحش" کی تشریح کرتے ہوئے بیان کیا گیا ہے کہ:

"فواحش کا اطلاق ان تمام افعال پر ہوتا ہے جن کی برائی بالکل واضح ہے۔ قرآن میں زنا، عمل قومِ لوطؑ، برہنگی، جھوٹی تہمت اور باپ کے منکوحہ سے نکاح کرنے کو فحش افعال میں شمار کیا گیا ہے۔ حدیث میں چوری اور شراب نوشی اور بھیک مانگنے کو من جملہ فواحش کہا گیا ہے۔ اسی طرح دوسرے تمام شرمناک افعال بھی فواحش میں داخل ہیں اور ارشادِ الٰہی یہ ہے کہ اس قسم کے افعال نہ اعلانیہ کیے جائیں نہ چھپ کر۔" (تفہیم القرآن)

"فَوَاحِشُ فَاحِشَۃ کی جمع ہے اور لفظ فحش، فحشاء اور فاحشہ سب

مصدر ہیں جن کا اردو میں ترجمہ بے حیائی سے کیا جاتا ہے، اور قرآن اور حدیث کی اصطلاح میں ہر ایسے بڑے کام کے لیے یہ الفاظ بولے جاتے ہیں جن کی بُرائی اور فساد کے اثرات بڑے ہوں اور دُور تک پہنچیں...... فحش اور فحشاء کے اس مفہوم عام میں تمام بڑے گناہ داخل ہیں خواہ اقوال سے متعلق ہوں یا افعال سے اور ظاہر سے متعلق ہوں یا باطن اور قلب سے، بدکاری اور بے حیائی کے جتنے کام ہیں، وہ بھی سب اس میں داخل ہیں، اسی لیے عام زبانوں پر یہ لفظ بدکاری کے معنوں میں بولا جاتا ہے...... یہ آیت فواحش کے اصل مفہوم کے اعتبار سے تمام ظاہری اور باطنی گناہوں کو اور مشہور عام مفہوم کے اعتبار سے بدکاری اور بے حیائی کے جتنے طریقے کھلے یا چھپے ہوئے ہیں ان سب کو شامل کیا ہے اور حکم آیت میں دیا گیا ہے کہ ان چیزوں کے پاس بھی نہ جاؤ۔ پاس نہ جانے سے مراد یہ ہے کہ ایسی مجلسوں اور ایسے مقامات سے بھی بچو جہاں جا کر اس کا خطرہ ہو کہ ہم گناہ میں مبتلا ہو جائیں گے"۔ (معارف القرآن)

ایسے ہی قرآن پاک میں اور مقامات پر واضح الفاظ میں بدکاری کی ممانعت آئی ہے، سورہ بنی اسرآئیل، آیت ۳۲ میں فرمایا گیا ہے:

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ؕ وَسَآءَ سَبِيْلًا ۝

"اور بدکاری کے قریب نہ پھٹکو وہ بہت بُرا فعل ہے اور بڑا ہی بُرا راستہ ہے"۔

سورہ الفرقان، آیات ۶۳ سے ۷۴ تک میں اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کی صفات بیان ہوئی ہیں جن میں ایک صفت یہ ہے کہ:

"...... لَا يَزْنُوْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا ۙ

"وہ بدکاری نہیں کرتے۔ یہ کام جو کوئی کریگا وہ اپنے گناہ کا بدلہ پائے گا

۱۲۵۷۳۲

Marfat.com

سورۃ الممتحنہ، آیت ۱۲ میں حضورؐ سے فرمایا گیا ہے کہ جب مومن خواتین آپؐ سے بیعت کرنے کے لیے آئیں تو ان سے بیعت لے لیجئے۔ ان مومن خواتین نے بیعت کرتے ہوئے جن باتوں کا عہد کرنا تھا ان میں ایک یہ ہے:

وَلَا یَزْنِیْنَ۔ (اور وہ بدکاری نہیں کریں گی۔)

بدکاری کی اُخروی اور دنیوی سزائیں

کسی گناہ کی شدّت کا اندازہ اُس سزا کی شدّت سے بھی لگایا جاسکتا ہے جو اس گناہ کے لیے رکھی گئی ہو۔ اس لحاظ سے بھی دیکھیں تو پتہ چلتا ہے کہ بدکاری اسلام کی نگاہ میں بڑا شدید گناہ ہے، کیونکہ اس کی سزا بہت سخت ہے۔ غیر شادی شدہ شخص اگر اس فعل بد کا ارتکاب کرے تو اس کی سزا سو کوڑے ہیں جیسے کہ ذیل کی آیت واضح فرما رہی ہے۔

اَلزَّانِیَۃُ وَالزَّانِیْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَۃَ جَلْدَۃٍ ۪ (النور: ۲)

"زانی عورت اور زانی مرد دونوں میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو۔"

اور شادی شدہ شخص اگر اس گناہ کا مرتکب ہو تو اُس کی سزا یہ ہے کہ اُسے پتھر مار مار کر ہلاک کر دیا جائے۔ اسے سنگسار کرنا کہتے ہیں اور اسی کے لیے لفظ "رجم" استعمال ہوتا ہے۔ شادی شدہ انسان کی سزا اس لیے زیادہ سخت رکھی گئی ہے کہ اس سے اس بات کی زیادہ توقع تھی کہ وہ اپنی پاکدامنی کو محفوظ رکھے گا۔ ذیل کی احادیث واضح کر رہی ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلّم نے بدکار لوگوں کو سنگسار کیا تھا اور آپؐ کی سنّت پہ عمل کرتے ہوئے صحابہؓ نے بھی اس جرم کا ارتکاب کرنے والوں کو یہ سزا دی۔ ذیل میں جو احادیث بیان ہوئی ہیں ان میں سے پہلی تین احادیث میں اس گناہ کا ارتکاب

Marfat.com

کرنے والوں کی اُخروی سزا کا حال بیان ہُوا ہے اور بعد والی احادیث میں دنیوی سزا کا۔

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم سے پوچھا گیا کہ کون سے اعمال لوگوں کو زیادہ جنّت میں لے جائیں گے ؟ آپؐ نے فرمایا کہ خدا سے ڈرنا اور اچھا اخلاق۔ اور آپؐ سے پوچھا گیا کہ کونسی چیزیں لوگوں کو زیادہ دوزخ میں لے جائیں گی ؟ آپؐ نے فرمایا کہ مُنہ اور شرمگاہ۔ (ترمذی)

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ حیا ایمان کی ایک شاخ ہے (یا ایمان کا ثمرہ ہے) اور ایمان کا مقام جنّت ہے اور بے حیائی و بے شرمی بدی (یا جفا) میں سے ہے اور بدی (یا جفا) کا مقام دوزخ ہے۔

(ترمذی)

صحیح بخاری کی ایک حدیث میں بیان ہوُا ہے کہ ایک دن حضورؐ نے صحابہؓ کو اپنا ایک خواب سنایا جس میں آپؐ کو مختلف گناہوں کی سزائیں دکھائی گئی تھیں۔ اس میں حضورؐ نے بدکاری کی جو سزا دیکھی وہ یہ تھی کہ تنور کی مانند ایک سوراخ تھا جس کا اوپر کا حصّہ تنگ تھا اور نیچے کا وسیع تھا۔ اس کے نیچے آگ روشن تھی۔ جب آگ کی لپٹ اوپر آتی تو وہ لوگ جو اس کے اندر تھے اُوپر آ جاتے یہاں تک کہ باہر نکلنے کے قریب ہو جاتے اور جب آگ دھیمی ہو جاتی تو وہ اس میں واپس چلے جاتے۔ ان لوگوں میں مرد بھی تھے اور عورتیں بھی۔ اور ان لوگوں نے لباس نہیں پہنا ہوُا تھا۔ بعد میں حضورؐ کو بتایا گیا کہ یہ لوگ جو اس تنور نما سوراخ میں آگ میں جل رہے تھے، وہ لوگ تھے جنھوں نے زندگی میں اپنی پاکدامنی کی حفاظت نہیں کی تھی اور بدکاری کا ارتکاب کیا تھا۔

Marfat.com

حضرت عبداللہ رضؓ ابن مسعود) بیان کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ کوئی مسلمان آدمی جو اس بات کی گواہی دیتا ہو کہ خدا کے سوا کوئی عبادت کے قابل نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں، اس کا خون حلال نہیں، مگر تین باتوں میں سے کسی ایک کے باعث (ایک یہ کہ وہ) شادی شدہ ہونے کے باوجود بدکاری کرے (دوسرے اس نے کسی کی جان لی ہو چنانچہ اس) جان کے بدلے (اس کی) جان لی جائے گی، تیسرے) اس نے اپنے دین کو چھوڑ دیا ہو اور (اسلامی) جماعت سے علیحدہ ہو گیا ہو۔ (مسلم)

اس حدیث سے واضح ہو رہا ہے کہ حضورؐ کے فرمان کے مطابق جو شخص شادی شدہ ہونے کے باوجود بدکاری کا ارتکاب کرے گا اس کی جان لی جائے گی۔ آگے آنے والی احادیث بتا رہی ہیں کہ اس کی جان لینے کے لیے جو طریقہ اختیار کیا جائے گا، وہ یہ ہو گا کہ اسے سنگسار کیا جائے گا۔

حضرت جابرؓ بن عبداللہؓ انصاری بیان کرتے ہیں کہ قبیلۂ اسلم کا ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور حضورؐ کو بتایا کہ میں نے بدکاری کی ہے اور اپنے آپ پر چار گواہیاں دیں (یعنی چار دفعہ اپنے گناہ کا اعتراف کیا) چنانچہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلّم نے اس کے بارے میں حکم فرمایا تو اسے سنگسار کر دیا گیا اور وہ شخص شادی شدہ تھا۔ (بخاری)

امام شعبیؒ بیان کرتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے جمعے کے دن ایک عورت کو سنگسار کیا اور فرمایا کہ میں نے اسے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلّم کی سنت کے مطابق سنگسار کیا ہے۔ (بخاری)

سلیمان بن موسیٰؒ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ خیانت کرنے والے مرد کی گواہی جائز نہیں نہ خیانت کرنے والی عورت

Marfat.com

کی اور نہ بدکار مرد اور بدکار عورت کی اور نہ اس کی جو اپنے بھائی کے لیے کینہ رکھے۔
(ابوداؤد)

اس حدیث کی رُو سے اپنی پاکدامنی کی حفاظت نہ کرنے والے لوگوں کے لیے دنیوی رسوائی کی ایک شکل یہ بھی ہو گی کہ انہیں گواہی دینے کے لائق نہیں سمجھا جائے گا۔

Marfat.com

پاکدامنی قائم رکھنے کے ذرائع

اسلام میں پاکدامنی کو جو خصوصی اہمیت دی گئی ہے، اس کے پیشِ نظر مسلمان مردوں اور عورتوں پر کچھ مقدّس پابندیاں عائد کر دی گئی ہیں جو ان کے پاکدامن رہنے میں بہت زیادہ معاون ثابت ہوتی ہیں۔ مثلاً اسلام میں تجرّد کی زندگی کو پسند نہیں کیا گیا بلکہ

نکاح

کر کے ازدواجی زندگی اختیار کرنے کو پسندیدہ سمجھا گیا ہے۔ نکاح انسان کی پاکدامنی کے محفوظ ہو جانے کا ایک کامیاب ذریعہ ہے۔

انسان کی آفرینش کے بارے میں جو کچھ بتایا گیا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ عورت کو اللہ تعالیٰ نے مرد ہی سے پیدا کیا تھا۔ لہٰذا ان دونوں کا ایک دوسرے سے کٹی ہوئی زندگی گزارنا تقریباً ناممکن ہے۔ دنیا کا کوئی نظام بھی خرابی پیدا کئے بغیر، انہیں ایک دوسرے سے کُلی طور پر علیحدہ کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ اس لیے اگر یہ جائز طریقے سے ایک دوسرے کے ساتھ مل کر نہ رہیں گے تو پھر ناجائز طریقے اختیار کرنے پر تُل جائیں گے۔ لہٰذا اسلام نے اسی بات کو پسند فرمایا ہے کہ وہ نکاح کی پابندیاں اختیار کر کے مل جُل کر زندگی گزاریں اور جنسی خرابیوں سے محفوظ ہو جائیں۔

سورۃ النساء آیات ۲۳ سے ۲۴ تک پہلے ان عورتوں کا ذکر کیا گیا ہے جو مسلمان مردوں کے لیے حرام ہیں اور پھر فرمایا گیا ہے کہ ان کے علاوہ جو

Marfat.com

عورتیں ہیں انہیں مہر کے عوض حاصل کیا جاسکتا ہے، لیکن ساتھ ہی یہ شرط بھی موجود ہے کہ:

مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسَافِحِيْنَ ط
"بشرطیکہ حصار نکاح میں انہیں محفوظ کرو نہ یہ کہ آزاد شہوت رانی کرنے لگو۔"

سنن ابن ماجہ، ابواب النکاح کی دوسری حدیث میں حضرت عائشہ رضؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ:

"نکاح میری سنت ہے۔ پس جو کوئی میری سنت پر نہ چلے وہ مجھ سے تعلق نہیں رکھتا۔ ۔ ۔ ۔"

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ تین آدمی ایسے ہیں جن کی مدد کرنا اللہ تعالیٰ پر لازم ہے۔ (ایک) اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا، (دوسرے) وہ مکاتب غلام جو بدل کتابت ادا کرنے کا ارادہ رکھتا ہو اور (تیسرے) وہ نکاح کرنے والا جسے (نکاح کرنے سے) پاکدامنی مقصود ہو۔
(ترمذی)

مکاتب غلام وہ ہوتا تھا جس کا اپنے مالک سے معاہدہ ہو چکا ہوتا تھا کہ جب میں آپ کو اتنی رقم ادا کر دوں گا تو میں آزاد ہو جاؤں گا۔ یہ رقم جس کی ادائیگی پر اُس کی آزادی منحصر ہوتی تھی، بدل کتابت کہلاتی تھی۔ اس حدیث میں جن تین اشخاص کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ انہیں خدا کی امداد ضرور حاصل ہوتی ہے۔ ان میں ایک مجاہد فی سبیل اللہ ہے۔ دوسرے وہ مکاتب غلام جو نیک نیتی سے بدل کتابت ادا کرنے کا ارادہ رکھتا ہو اور تیسرے وہ شخص جو اپنی پاکدامنی کو محفوظ رکھنے کے لیے نکاح کرے۔ حضورؐ کی تعلیمات سے اس بات کی پوری وضاحت ہو جاتی ہے کہ اسلام میں نکاح سے کنارہ کش رہنے کو پسندیدگی

Marfat.com

کی نگاہ سے نہیں دیکھا گیا بلکہ نکاح کر کے ازدواجی زندگی گزارنے کو زیادہ پسندیدہ سمجھا گیا ہے۔ نکاح کی فضیلت کی بنیاد یہی ہے کہ اور بہت سے معاشرتی فوائد کے علاوہ نکاح انسان کو پاکدامن رہنے میں بہت زیادہ امداد دیتا ہے اور پاکدامنی ایک مسلمان کے نمایاں اوصاف میں سے ہے۔

پردہ

جو شے کسی مذہب، تہذیب یا طریقۂ زندگی کی نمایاں خصوصیت ہو اسے اس کا شعار کہا جاتا ہے۔ شعار کا مطلب ہے علامت۔ کسی قوم کے شعائر اُس قوم کی وہ نمایاں خصوصیات ہیں جنہیں دیکھتے ہی ذہن اُس قوم کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ مثال کے طور پہ آپ کسی عمارت پر صلیب لگی ہوئی دیکھیں تو آپ کو فوراً پتہ چل جائے گا کہ یہ عیسائیوں کی عمارت ہے اور چلتے چلتے کہیں لوگوں کو باجماعت نماز پڑھتے دیکھ لیں تو فوراً سمجھ جائیں گے کہ یہ لوگ مسلمان ہیں۔ لہٰذا صلیب عیسائیت کا اور باجماعت نماز کا نظام اسلام کا شعار ہے۔

ایسے ہی اسلامی معاشرت کا ایک خاص شعار ہے جسے "پردہ" کہا جاتا ہے۔ پردے کی تعریف مختصر الفاظ میں کی جائے تو وہ یہ ہو گی کہ اسلام نے غیر مردوں اور عورتوں کے درمیان حجاب کی جو دیوار کھڑی کی ہے اس کا نام پردہ ہے۔ واضح رہے کہ مسلمان عورت کے معاملے میں اللہ تعالیٰ نے مردوں کو دو حصوں میں تقسیم فرما دیا ہے۔ محرم مرد اور نامحرم مرد۔ کسی عورت کے محرم وہ مرد ہیں جن کے ساتھ اُس کا نکاح ناجائز ہے۔ مثلاً دادا، نانا، باپ، چچا، ماموں، بھائی، بیٹے، بھانجے، بھتیجے، خسر، داماد وغیرہ۔ اس حلقے سے باہر کے وہ تمام مرد جن کے ساتھ ایک عورت کا نکاح ہو سکتا ہے، اُس کے نامحرم ہیں۔

جہاں تک محرم مردوں کا تعلق ہے ان کے ساتھ بے تکلفی سے ملنے

Marfat.com

جلنے، بولنے چالنے، بناؤ سنگھار کے ساتھ ان کے سامنے آنے، ان کے ساتھ تنہا ایک گھر میں رہنے، ان کے ساتھ سفر کرنے وغیرہ وغیرہ کی اجازت ہے، مگر نامحرم مردوں کے معاملے میں کچھ پابندیاں لگادی گئی ہیں، مثلاً

۱۔ عورت نامحرم مردوں کو اپنی زینت نہ دکھائے۔

۲۔ کسی نامحرم مرد کے پاس تنہا نہ ہو۔

۳۔ نامحرم مرد اور عورت ایک دوسرے کو چھونے سے پرہیز کریں۔

۴۔ کسی نامحرم مرد کے ساتھ خواہ مخواہ ہنسی، دل لگی کی باتیں کرنے سے پرہیز کی جائے اور اگر کوئی ضروری بات کرنا ہی ہو تو اس کی اجازت ہے۔ تاہم آواز کو ٹھیک اور بلند رکھا جائے، دبی زبان سے بات نہ کی جائے یا آواز کو باریک اور لوچدار بنانے کی کوشش نہ کی جائے، جس سے سننے والے کے دل میں کوئی غلط توقع پیدا ہو جائے۔

۵۔ نامحرم مردوں کو اپنے زیورات کی جھنکار نہ سنائی جائے۔

۶۔ اگر کسی ایسی جگہ جانا ہو جہاں نامحرم مرد بھی ہوں، تو خوشبو استعمال نہ کی جائے۔ مثلاً عورت کو مسجد میں خوشبو لگا کر جانے سے منع فرمایا گیا ہے۔

۷۔ غیر مردوں سے کچھ لینا ہو یا انہیں کچھ دینا ہو تو پردے کی اوٹ سے لیا دیا جائے۔

۸۔ عورت نے باہر نکلنا ہو تو چادر یا برقع وغیرہ کسی اوڑھے جانے والے کپڑے کو اوڑھ کر نکلے وغیرہ۔

ذیل میں کلام پاک کی کچھ آیات بیان کی جا رہی ہیں جن میں پردے کے بارے میں ہدایات دی گئی ہیں۔ سورۃ النور، آیت ۳۱ میں فرمایا گیا ہے:

" اور (اے نبیؐ) مومن عورتوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی

Marfat.com

شرمگاہوں کی حفاظت کریں اور اپنا بناؤ سنگھار نہ دکھائیں بجز اس کے جو خود ظاہر ہو جائے اور اپنے سینوں پر اپنی اوڑھنیوں کے آنچل ڈالے رہیں اور اپنا بناؤ سنگھار نہ ظاہر کریں، مگر ان لوگوں کے سامنے: اپنے شوہر یا اپنے باپ یا اپنے شوہروں کے باپ یا اپنے بیٹے یا اپنے شوہروں کے بیٹے یا اپنے بھائی یا اپنے بھائیوں کے بیٹے یا اپنی بہنوں کے بیٹے یا اپنی میل جول کی عورتیں یا اپنے لونڈی غلام، یا وہ زیر دست مرد، جو کسی اور قسم کی غرض نہ رکھتے ہوں یا وہ بچے جو عورتوں کی پوشیدہ باتوں سے ابھی واقف نہ ہوئے ہوں اور وہ اپنے پاؤں زمین پر مارتی ہوئی نہ چلا کریں کہ اپنی جو زینت انہوں نے چھپا رکھی ہو اس کا لوگوں کو علم ہو جائے۔ اے مومنو! تم سب مل کر اللہ سے توبہ کرو، توقع ہے کہ فلاح پاؤ گے۔"

سورۃ الاحزاب، آیت ۵۹ میں ارشاد ہوا ہے:

"اے نبیؐ اپنی بیویوں اور اپنی بیٹیوں اور اہل ایمان کی عورتوں سے کہہ دیجئے کہ اپنے اوپر اپنی چادروں کے پلو لٹکا لیا کریں۔ یہ زیادہ مناسب طریقہ ہے تاکہ وہ پہچان لی جائیں اور نہ ستائی جائیں۔"

"وہ پہچان لی جائیں" سے مراد یہ ہے کہ ان کو اس سادہ اور حیادار لباس میں دیکھ کر ہر دیکھنے والا جان لے کہ وہ شریف اور باعصمت عورتیں ہیں، آوارہ اور کھلاڑی نہیں ہیں کہ کوئی بدکردار انسان ان سے اپنے دل کی تمنا پوری کرنے کی امید کر سکے۔

"نہ ستائی جائیں" سے مراد یہ ہے کہ ان کو نہ چھیڑا جائے، ان سے تعرض نہ کیا جائے۔ (تفہیم القرآن)

سورۃ الاحزاب، آیت ۳۲ اور ۳۳ میں اُمہات المومنین کو مخاطب کر کے

Marfat.com

فرمایا گیا ہے:

".....اگر تم اللہ سے ڈرنے والی ہو تو دبی زبان سے بات نہ کیا کرو کہ دل کی خرابی کا مبتلا کوئی شخص لالچ میں پڑ جائے بلکہ صاف سیدھی بات کرو، اپنے گھروں میں ٹِک کر رہو اور سابق دورِ جاہلیت کی سی سج دھج نہ دکھاتی پھرو......"

یہ جو فرمایا گیا ہے کہ دبی زبان سے بات نہ کیا کرو اور سابق دورِ جاہلیت کی سی سج دھج نہ دکھاتی پھرو۔ اس کی تشریح تفہیم القرآن میں یوں بیان کی گئی ہے:

"یعنی ضرورت پیش آنے پر کسی (نامحرم) مرد سے بات کرنے میں مضائقہ نہیں، لیکن ایسے موقع پر عورت کا لہجہ اور انداز گفتگو ایسا ہونا چاہیے جس سے بات کرنے والے مرد کے دل میں کبھی یہ خیال تک نہ گزر سکے کہ اس عورت سے کوئی اور توقع بھی قائم کی جا سکتی ہے۔ لہجے میں کوئی لوچ نہ ہو۔ باتوں میں کوئی لگاوٹ نہ ہو، آواز میں دانستہ کوئی شیرینی گھلی ہوئی نہ ہو، جو سننے والے مرد کے جذبات میں کوئی انگیخت پیدا کر دے۔"

"اللہ تعالیٰ جس طرزِ عمل سے عورتوں کو روکنا چاہتا ہے، وہ ان کا اپنے حسن کی نمائش کرتے ہوئے گھر سے باہر نکلنا ہے۔ وہ ان کو ہدایت فرماتا ہے کہ اپنے گھروں میں ٹک کر رہو کیونکہ تمہارا اصل کام گھر میں ہے نہ کہ اس سے باہر۔ اگر باہر نکلنے کی ضرورت پیش آئے تو اس شان کے ساتھ نہ نکلو جس کے ساتھ سابق دورِ جاہلیت میں عورتیں نکلا کرتی تھیں۔ بن ٹھن کر نکلنا، چہرے اور جسم کے حسن کو زیب و زینت اور چست لباسوں یا عریاں لباسوں سے نمایاں کرنا اور ناز و ادا سے چلنا ایک مسلم معاشرے کی عورتوں کا کام نہیں

ہے۔ یہ جاہلیت کے طور طریقے ہیں جو اسلام میں نہیں چل سکتے۔"

سورۃ الاحزاب، آیت ۵۳ میں مسلمانوں کو کچھ ہدایات دی گئی ہیں۔ جن میں ایک یہ ہے کہ:

"اگر تم نے اُن سے (یعنی حضورؐ کی ازواج مطہراتؓ سے) کچھ مانگنا ہو تو پردے کے پیچھے سے مانگا کرو۔ یہ تمہارے اور ان کے دلوں کی پاکیزگی کے لیے زیادہ مناسب طریقہ ہے۔"

تفہیم القرآن میں اس کی تشریح کرتے ہوئے بیان ہوا ہے کہ:

"یہی آیت ہے جسے آیت حجاب کہا جاتا ہے۔ بخاری میں حضرت انسؓ بن مالک کی روایت ہے کہ حضرت عمرؓ اس آیت کے نزول سے پہلے متعدد مرتبہ حضورؐ سے عرض کر چکے تھے کہ یا رسولؐ اللہ، آپؐ کے ہاں بھلے اور برے سب ہی قسم کے لوگ آتے ہیں۔ کاش آپؐ اپنی ازواج مطہرات کو پردہ کرنے کا حکم دے دیتے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے ازواج رسولؐ سے کہا کہ اگر آپ کے حق میں میری بات مانی جائے تو کبھی میری نگاہیں آپ کو نہ دیکھیں۔ لیکن رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ قانون سازی میں خود مختار نہ تھے اس لیے آپؐ اشارۂ الٰہی کے منتظر رہے۔ آخر کار یہ حکم آ گیا کہ محرم مردوں کے سوا کوئی مرد حضورؐ کے گھر میں نہ آئے اور جس کو بھی خواتین سے کوئی کام ہو وہ پردے کے پیچھے سے بات کرے۔ اس حکم کے بعد ازواج مطہراتؓ کے گھروں میں دروازوں پر پردے لٹکا دیے گئے اور چونکہ حضورؐ کا گھر تمام مسلمانوں کے لیے نمونے کا گھر تھا، اس لیے تمام مسلمانوں کے گھروں پر بھی پردے لٹک گئے۔"

ان آیات میں، جیسے کہ ظاہر ہے، ان پابندیوں کو بیان کیا گیا ہے جو عورتوں

اور نامحرم مردوں کے درمیان قائم کر دی گئی ہیں۔ ان سب احکام کا خلاصہ یہ ہے کہ عورتیں اور نامحرم مرد بے وجہ ایک دوسرے کے ساتھ خلط ملط ہونے سے پرہیز کریں اور آبرومندانہ طور پر ایک حد تک ایک دوسرے سے دُور رہیں۔ یہ پابندیاں جو عورتوں اور نامحرم مردوں کے درمیان قائم کر دی گئی ہیں انہیں کا نام "پردہ" ہے اور پردے کا مقصد یہ ہے کہ عورتوں اور مردوں کے دلوں اور آنکھوں میں حیا قائم رہے اور ان کی پاکدامنی محفوظ رہے۔

یہاں اس بات کو واضح کر دینا بھی ضروری ہے کہ جہاں تک حقیقی ضروریات کا تعلق ہے، ان پر کوئی پابندی نہیں لگائی گئی۔ مثال کے طور پر کوئی خاتون بیمار ہے اور نامحرم مرد طبیب کو دکھانے کی ضرورت ہے تو وہ دکھا سکتی ہے اور علاج کے لیے جس جس حصّے کو کھولنا ضروری ہو اسے کھول سکتی ہے۔ ایسے ہی کوئی حادثہ پیش آ جائے یا جان جانے کا خطرہ ہو اور بچانے والا صرف کوئی نامحرم ہی ہو تو اس وقت جان بچانے کی فکر کی جائے گی اور اس کے لیے اگر کسی نامحرم عورت کو چھونے کی ضرورت ہو گی تو اس کی اجازت ہو گی۔ مختصر یہ کہ جب حالات نارمل نہ ہوں اور ضرورت کا تقاضا ہو کہ پردے کی پابندیوں کو نرم کیا جائے تو انہیں نرم کرنے کی اجازت ہو گی مگر عام حالات میں جب کوئی حقیقی ضرورت درپیش نہ ہو، ان پابندیوں کو پورے طور پر ملحوظ رکھا جائے گا جو اللہ تعالیٰ نے عورتوں اور نامحرم مردوں کے درمیان قائم کر رکھی ہیں۔

بعض لوگ غیر اسلامی تہذیبوں سے متاثر ہو جانے کے باعث پردے کی پابندیوں پر تنقید کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ پاکدامنی تو عفت وعصمت کی حفاظت کا نام ہے۔ پردے کے نام سے جو پابندیاں لگائی گئی ہیں انہیں نظر انداز بھی

Marfat.com

کر دیا جائے تو آخر اس سے پاکدامنی کو کیا نقصان پہنچ سکتا ہے۔ کیونکہ پاکدامنی کو برباد کرنے والی شے تو صرف بدکاری ہے ــــ یہ تنقید زیادہ تر اسلام کے طریقۂ اصلاح کے اصولوں سے ناواقف ہونے کی بنا پر کی جاتی ہے۔ اسلام کا طریقۂ اصلاح یہ ہے کہ جب کسی عمل کو بھی گناہ قرار دے کر حرام کیا گیا ہے اس کے ساتھ ان اعمال و افعال سے بھی منع کر دیا گیا ہے جن میں اگرچہ فی نفسہٖ وہ گناہ موجود نہیں ہوتا تاہم وہ اس گناہ تک لے جانے والے ہوتے ہیں۔

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے جنّت میں آدمؑ کا پُتلا بنایا تو جب تک چاہا اسے چھوڑے رکھا تو ابلیس یہ دیکھنے کے لیے کہ یہ کیا ہے، اس کے چاروں طرف گھومنے لگا۔ پھر جب اس نے دیکھا کہ یہ کھوکھلا ہے تو جان گیا کہ اسے ایک ایسی مخلوق بنایا گیا ہے جو اپنے آپ پر قابو نہیں رکھ سکے گی۔ (مسلم)

واضح رہے کہ گناہ کی حیثیت اس ڈبو دینے والی گہری جھیل کی سی ہوتی ہے جس کے ارد گرد کے کنارے کچھ دُور تک پھسلواں ہوں۔ وہ پھسلواں کنارے بذاتِ خود تو جھیل نہیں ہوتے مگر جب انسان کے قدم ان تک پہنچ جائیں اس کے لیے پھر مضبوطی سے کنارے ہی پر کھڑے رہنا مشکل ہو جاتا ہے۔ زیادہ امکان اسی بات کا ہوتا ہے کہ کسی وقت بھی وہ پھسل کر جھیل کے اندر جا گرے گا، لہٰذا وہ پتلا جو اندر سے کھوکھلا ہے اور جو اپنے آپ پر قابو نہیں رکھ سکتا، اس کے لیے خیر اسی میں ہے کہ ان پھسلواں کناروں سے دُور ہی رہے ورنہ اسے پتہ بھی نہ چلے گا اور وہ جھیل کے اندر پہنچ چکا ہو گا۔

اسلام میں بھی اصل مقصود پاکدامنی ہی ہے اور اسے خراب کرنے والی شے

Marfat.com

ایک خاص گناہ ہی ہے مگر غیر مرد اور عورتوں کا آپس میں بے حجابانہ خلط ملط ہونا اور تنہائی میں ملاقاتیں کرنا اسی خاص گناہ کی جھیل کے ارد گرد کے پھسلواں کنارے ہیں جہاں پہنچ کر بہت سی کمزور طبیعتوں کے پھسل کر جھیل کے اندر جا گرنے کا خدشہ موجود ہوتا ہے۔ پاکدامنی کی اہمیت کے پیشِ نظر اسلام نے اسے اتنی اہمیت دی ہے کہ جو اعمال و افعال اس کے لیے خطرناک ثابت ہو سکتے ہیں انہیں بھی ممنوع قرار دے دیا گیا ہے تاکہ وہ زیادہ سے زیادہ محفوظ ہو جائے۔ سورۃ بنی اسرائیل، آیت ۳۲ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰىٓ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ۭ وَسَاۗءَ سَبِيْلًا ۝

"اور بدکاری کے قریب نہ پھٹکو وہ بہت برا فعل ہے اور بڑا ہی برا راستہ ہے۔"

اس آیت کی تشریح میں مولانا سید سلیمان ندوی صاحب نے فرمایا ہے:

"یہ نصیحت جس طرح سے کی گئی ہے وہ بلاغت کی جان ہے۔ یہ نہیں فرمایا ہے کہ "تم زنا نہ کرنا"، بلکہ یہ کہا گیا ہے کہ "تم زنا کے قریب بھی نہ جانا"! اس طرزِ ادا نے نہ صرف، یہ کہ اس فعلِ بد ہی سے بچنے کی تاکید کی ہے بلکہ اس سے قریب ہو کر گزرنے کی بھی ممانعت کر دی ہے۔ اس سے یہ نکتہ پیدا ہوا کہ جس طرح اس بدکاری سے بچنا شرافت ہے اس کی تقریب اور تمہید کے کاموں سے بھی بچنا شرافت کا اقتضاء ہے۔ کسی غیر محرم کی طرف للچائی ہوئی نظروں سے یا بے حیائی کے ارادے سے دیکھنا، تنہائی میں ملنا جلنا، بے وجہ اس کے بدن کو چھونا یا اور کسی طرح سے اس کی بات چیت اور آمد و رفت سے ناجائز لطف اٹھانا یا دوسری غیر شریفانہ حرکات کرنا ایمانی عزت اور اخلاقی شرافت کے سراسر منافی ہے۔ اسی لیے اسلام نے ان ساری باتوں کو، جو بے حیائی اور بدکاری

Marfat.com

کی تقریب اور تمہید ہیں، حرام قرار دیا ہے۔" (سیرۃ النبیؐ جلد ششم)

لہٰذا اسلامی معاشرت میں غیر مردوں اور عورتوں کے لیے ایسے اصول وضع کر دیے گئے ہیں جن سے وہ عزت و آبرو کے ساتھ ایک دوسرے کا احترام کرتے ہوئے ایک دوسرے سے مناسب فاصلے پر رہیں۔ کیا ہم دیکھتے نہیں کہ جو انسان یا چیز بہت محترم ہو اس کے بہت زیادہ قریب آنا یا اسے چھونا بے ادبی سمجھا جاتا ہے۔ چنانچہ مسلمان عورتوں کا نامحرم مردوں سے دور رہنا اور نامحرم مردوں کا اُن سے دور رہنا اس بنا پر بھی ہے کہ وہ ایک دوسرے کی شرافت کا ادب کرتے اور ایک دوسرے کا احترام کرتے ہیں۔

حضرت ابوسعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ دنیا شیریں اور ہری بھری ہے اور اللہ تعالیٰ تمہیں اس میں حاکم بنانے والا ہے۔ پھر وہ دیکھے گا کہ تم اس میں کیسے عمل کرتے ہو۔ پس دنیا (میں محو ہو جانے) سے بچو اور عورتوں سے بچو کیونکہ بنو اسرائیل کا سب سے پہلا فتنہ عورتوں سے شروع ہوا تھا۔ (مسلم)

یہاں عورتوں سے بچنے کی ہدایت دینے سے یہ مراد نہیں کہ حضورؐ مسلمانوں کو رہبانیت اختیار کرنے کا حکم فرما رہے ہیں کیونکہ حدیث ہی سے یہ بالکل واضح ہے کہ حضورؐ نے نکاح کو اپنی سنت قرار دیا ہے اور اس سنت سے بے وجہ بچنے والوں کے لیے ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا ہے بلکہ یہاں عورتوں سے بچنے کی ہدایت دینے سے مراد یہ ہے کہ عورتوں کو اپنے اعصاب پر سوار کرنے اور ان کے معاملے میں غیر شرعی طرزِ عمل اختیار کرنے سے بچو کیونکہ اس سے انجامِ کار قوم تباہی کے گڑھے میں جا گرتی ہے۔ تاریخ اسلام میں یہ تماشے بے شمار دفعہ دیکھے گئے کہ غیر مسلم عورتوں نے مسلمان کہلانے والے

Marfat.com

تماش بینوں کو الّو بنا کر ان کے ہاتھوں دینِ اسلام اور اسلامی سلطنت دونوں کو زبردست نقصان پہنچایا اور اب موجودہ زمانے میں بھی ایسے تماش بینوں کی کمی نہیں ہے جن کے اعصاب پر نا محرم عورتیں اس طرح سوار ہوتی ہیں کہ بڑھاپا بھی ان کی تماش بینی کو ختم نہیں کر سکتا۔ پھر یہ معاملہ ان کی ذاتی عیاشی تک ہی نہیں رہتا بلکہ ان میں جو کسی حد تک یا بہت حد تک با اختیار ہوتے ہیں، وہ جن عورتوں کے دامِ تزویر میں پھنسے ہوتے ہیں اُن کے اشاروں پر ناچتے ہوئے اپنی عارضی ناپاک اور حقیر خوشیوں کے لیے ملک و ملّت کو بڑے سے بڑا نقصان پہنچانے سے بھی نہیں چوکتے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ عورت بیک وقت بڑی کمزور بھی ہے اور بہت زیادہ طاقتور بھی۔ لہٰذا جہاں تاریخ میں یہ مردوں کے ظلم و ستم سہتی رہی ہے وہاں سیاست اور دوسرے امور میں دخیل ہو کر مردوں کو کاٹ کا الّو بنا کر بھی رکھتی رہی ہے۔
حضورؐ کا عورتوں سے بچنے کی ہدایت فرمانا اپنے اندر وسیع معانی رکھتا ہے۔ اس سے جہاں ایک طرف یہ حکم ملتا ہے کہ نامحرم عورتوں سے گنہگارانہ طور پر خلط ملط ہو کر اپنے اخلاق کو تباہ کرنے اور دین و ملّت کو ضرر پہنچانے سے بچو وہاں یہ مطلب بھی نکل سکتا ہے کہ محرم عورتوں کو بھی اپنے اعصاب پر اس طرح سوار نہ کر لو کہ وہ تمہیں خدا کے احکام سے بھی دُور بھگا لے جائیں۔ کیونکہ جہاں یہ مناظر بھی دیکھنے میں آتے ہیں کہ خدا فراموش مرد اپنی دیندار بیویوں کو غلط راہوں پر چلنے پر مجبور کرتے ہیں، وہاں ایسے واقعات کی بھی کمی نہیں کہ کوئی شوہر حلال کمائی پر قانع رہنا چاہتا تھا مگر اس کی بیوی نے مطالبے کر کر کے اور پٹی پڑھا پڑھا کر آخر اُسے رشوت خوری اور بد دیانتی کی راہ اختیار کرنے پر مجبور کر ہی دیا۔ ایسے ہی عموماً عورتیں رسوم پسند بہت ہوتی ہیں اور اکثر اوقات

Marfat.com

شادی غمی کے اوقات میں فضول رسموں پر روپیہ خرچ کر کے گھروں کو تباہ کرنے کا ذریعہ بنتی ہیں ایسے ہی ان عورتوں کی بھی کمی نہیں جو شوہروں پر حاوی ہو کر سوتیلی اولاد کے حقوق غصب کرواتی اور انہیں ظلم کا نشانہ بنواتی ہیں ۔ "عورتوں سے بچو" کے فرمان سے مراد یہ ہے کہ عورتوں کے ہاتھوں میں ایسے کھلونے نہ بن جاؤ کہ نیکی بدی کی پہچان ہی بھول جاؤ اور نتیجہ یہ ہو کہ ایک طرف تو دین و ایمان، ملک و ملت، معاشرہ و خاندان کے لیے ضرر رساں ہو جاؤ اور دوسری طرف متعلقین میں سے حقداروں کے حقوق چھیننے اور بے گناہوں پر ظلم کرنے میں دلیر ہو جاؤ۔

مسلم کتاب الذکر والدعاء کی ایک حدیث میں حضرت اُسامہ رضؓ بن زید رضؓ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ میں نے اپنے پیچھے کوئی ایسا فتنہ نہیں چھوڑا جو مردوں کے لیے عورتوں سے زیادہ ضرر رساں ہو۔ ظاہر ہے کہ یہاں حضورؐ کی مراد وہی عورتیں ہیں جن کے نامحرم ہونے کی صورت میں مردان کے باعث فسق و فجور میں مبتلا ہوتے ہیں اور دین و ملت کو نقصان پہنچانے والے کام کرتے ہیں اور محرم ہونے کی صورت میں ان کے دباؤ کے زیرِ اثر بد دیانتی کی راہوں پر چلتے، حقداروں کے حقوق چھینتے اور دوسری غلط حرکات کرتے ہیں۔

حضرت عمر رضؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں) عرض کیا کہ یا رسولؐ اللہ، آپؐ کے پاس تو نیک اور بد (ہر طرح کے لوگ) آتے ہیں لہٰذا اگر آپؐ امہات المؤمنین کو پردے کا حکم دیں تو بہت اچھا ہو۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت حجاب نازل فرمائی ۔ (بخاری)

جیسے کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے اس آیت مبارکہ کو "آیت حجاب"، کہا گیا

Marfat.com

ہے اور یہ سورۃ الاحزاب کی آیت ۵۳ ہے۔ پوری آیت کا ترجمہ حسبِ ذیل ہے۔ "اے لوگو! جو ایمان لائے ہو نبیؐ کے گھروں میں بلا اجازت نہ چلے آیا کرو، نہ کھانے کا وقت تاکتے رہو۔ ہاں اگر تمہیں کھانے پر بلایا جائے تو ضرور آؤ مگر جب کھانا کھالو تو منتشر ہو جاؤ، باتیں کرنے میں نہ لگے رہو۔ تمہاری یہ حرکتیں نبیؐ کو تکلیف دیتی ہیں مگر وہ شرم کی وجہ سے کچھ نہیں کہتے اور اللہ حق بات کہنے میں نہیں شرماتا۔ نبیؐ کی بیویوں سے اگر تمہیں کچھ مانگنا ہو تو پردے کے پیچھے سے مانگا کرو۔ یہ تمہارے اور ان کے دلوں کی پاکیزگی کے لیے زیادہ مناسب طریقہ ہے۔ تمہارے لیے یہ ہرگز جائز نہیں کہ اللہ کے رسولؐ کو تکلیف دو اور نہ یہ جائز ہے کہ ان کے بعد ان کی بیویوں سے کبھی بھی نکاح کرو۔ یہ اللہ کے نزدیک بہت بڑا گناہ ہے۔"

احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح حضرت زینب رضؓ سے ہوا اور ولیمہ کی دعوت ہوئی تو دعوت کے بعد بعض لوگ اتنی دیر تک بیٹھے رہے کہ حضورؐ کو تکلیف ہوئی، مگر شرم کے باعث آپؐ نے انہیں جانے کے لیے نہ کہا۔ آخر جب وہ چلے گئے تو یہ آیت نازل ہوئی جس میں صحابہؓ کو دوسری ہدایات کے علاوہ یہ بھی فرمایا گیا کہ اگر حضورؐ کی ازواجِ مطہرات سے کچھ لینا ہو تو پردے کے پیچھے سے لیا کرو۔ مسلم، کتاب النکاح میں حضرت انسؓ نے اس واقعے کو تفصیل سے بیان کیا ہے اور آخر میں بتایا ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد پھر امہات المومنینؓ پردے میں رہنے لگیں۔ آیتِ حجاب میں اللہ تعالیٰ نے پردے کے پیچھے سے چیز مانگنے کے حکم کی وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ یہ تمہارے اور ان کے دلوں کی پاکیزگی کے لیے زیادہ مناسب طریقہ ہے۔ اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ

Marfat.com

عورتوں اور مردوں کا بے حجابانہ ایک دوسرے سے نہ ملنا بلکہ ضرورت پڑنے پر بھی پردے کے پیچھے سے ایک دوسرے سے بات وغیرہ کرنا دلوں کے پاک رہنے کا ذریعہ ہے۔ کیونکہ انسان کے ظاہری اعمال کا لازماً اس کے دل پر بھی اثر پڑتا ہے۔ اگر ظاہری اعمال میں احتیاط اور شرعی پابندیوں کا خیال رکھا جائے گا تو دل کی حیا بھی بڑھے گی۔

حضرت عبداللہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورت پردے میں رہنے کی چیز ہے (یا عورت ایسی چیز ہے جسے چھپا کر رکھا جائے) پس جب وہ نکلتی ہے تو شیطان نگاہیں اٹھا اٹھا کر اس کی طرف دیکھتا ہے۔

(ترمذی)

شیطان سے یہاں مراد شیطان صفت انسان بھی ہو سکتے ہیں جو اپنی طبعی بیحیائی کے باعث گنہگارانہ طور پر تاک جھانک کرتے رہنے اور نامحرم عورتوں کو اپنی بے باک نگاہوں کا نشانہ بنائے رکھنے میں قطعی شرم محسوس نہیں کرتے۔ اس حدیث میں عورت کے نکلنے کے بارے میں جو کچھ فرمایا گیا ہے اس سے مقصد یہ ہے کہ عورت کا اصل میدان اس کا اپنا گھر ہے۔ باقی ضرورت کے لیے اس کے باہر نکلنے پر کوئی پابندی نہیں۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ جب وہ باہر نکلے تو حیا کے ساتھ اور شرعی ہدایات کو ملحوظ رکھتے ہوئے نکلے۔

حضرت عائشہؓ عورتوں کی بیعت کے متعلق بیان فرماتی ہیں کہ (عورتوں سے بیعت لیتے وقت) رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ہرگز کبھی کسی عورت کے ہاتھ کو نہیں چھوا تھا بلکہ آپؐ عورت سے زبانی عہد لیتے۔ پھر جب آپؐ اس سے زبانی عہد لیتے اور وہ آپؐ سے زبانی عہد کر لیتی تو آپؐ فرماتے کہ جاؤ میں نے تم سے بیعت لے لی۔ (مسلم)

Marfat.com

اگر حضورؐ امت کے نبی ہو کر عورتوں کا ہاتھ چھونے سے پرہیز کرتے تھے تو پھر عام لوگوں کے لیے یہ کیسے مناسب ہو سکتا ہے کہ کسی غیر عورت کے ہاتھ کو چھوئیں۔

حضرت اُم سلمہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں عورتیں (نماز ختم کر کے) سلام پھیرتے ہی اٹھ جاتیں اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور (آپؐ کے ساتھ) نماز پڑھنے والے مرد جب تک خدا کو منظور ہوتا بیٹھے رہتے۔ پھر جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اٹھتے تو (دوسرے) مرد بھی اُٹھ کھڑے ہوتے۔ (نسائی)

مردوں کا حضورؐ کے پاس بیٹھے رہنا حضورؐ کی صحبت کا شرف حاصل کرنے اور علم دین کے حصول کی غرض سے بھی ہو سکتا ہے اور یہ امکان بھی ہو سکتا ہے کہ وہ اس لیے بھی ٹھہر جاتے ہوں کہ عورتیں پہلے آرام سے چلی جائیں اور مرد اور عورتیں آپس میں گڈمڈ نہ ہوں۔

محرموں اور نامحرموں کے بارے میں کچھ ہدایات

پہلے یہ بیان ہو چکا ہے کہ نامحرم وہ لوگ ہیں جن سے نکاح جائز ہے اور محرم وہ ہیں جن کے ساتھ نکاح جائز نہیں ذیل میں کچھ روایات بیان کی جا رہی ہیں جن میں ہدایت کی گئی ہے کہ

ایک خاص مدّت کے سفر کے دوران عورت کے ساتھ کوئی محرم ہونا چاہیے۔

کوئی نامحرم مرد کسی عورت کے پاس تنہا نہ ہو جب تک کہ اس عورت کے پاس اس کا کوئی محرم نہ ہو۔

کوئی نامحرم مرد کسی عورت کے خاوند کی غیر حاضری میں اس کے پاس نہ

Marfat.com

جائے سوائے اس صورت کے کہ اس آنے والے کے ساتھ ایک یا دو مرد اور ہوں۔

کوئی عورت اپنے خاوند کے سامنے کسی غیر عورت کی شکل و صورت وغیرہ کی اس طرح تفصیل سے تعریف نہ کرے کہ اس مرد کو یہ محسوس ہو کہ گویا کہ وہ اُسے دیکھ رہا ہے۔

ظاہر ہے کہ ان پابندیوں کا مقصد بھی یہی ہے کہ عورتوں کو سفر و حضر میں حفاظت حاصل رہے اور عورتوں اور مردوں دونوں کے دلوں میں پاکیزگی اور حیا قائم رہے۔

حضرت ابن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورت تین دن کا سفر نہ کرے سوائے اس صورت کے کہ اس کے ساتھ کوئی ایسا رشتہ دار مرد ہو جس سے نکاح حرام ہو۔ (بخاری)

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ جو عورت خدا اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتی ہو اس کے لیے حلال نہیں کہ ایک دن رات کا سفر اس حال میں کرے کہ اس کے ساتھ اس کا کوئی محرم نہ ہو۔ (بخاری)

مندرجہ بالا دو حدیثوں میں سے ایک میں تین دن کا سفر کا ذکر ہے کہ اس کے دوران عورت کے ساتھ کوئی محرم مرد ہونا چاہیے اور دوسری میں ایک دن رات کے سفر کا ذکر ہے۔ اس سے جو اصل مقصود ہے، وہ یہ فرمانا ہے کہ جب عورت کوئی لمبا سفر کرے تو اس کے ساتھ اس کا کوئی محرم ہونا چاہیے تاکہ اس کی جان، مال اور عزت کی حفاظت کا بندوبست موجود رہے۔ عورت کے ساتھ کسی محرم مرد کا محض موجود ہونا ہی بہت سے شریر عناصر کو شرارت کرنے سے باز رکھے گا اور اگر کسی نے شرارت کا ارادہ کیا بھی تو وہ محرم مرد اس شرارت کے مقابلے میں اس کی حفاظت کرے گا۔

حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلّم کو خطبے

Marfat.com

کے دوران فرماتے سنا کہ کوئی مرد کسی (نامحرم) عورت کے ساتھ تنہا نہ ہو جب تک کہ اس عورت کے ساتھ اس کا کوئی محرم نہ ہو اور کوئی عورت محرم کے بغیر سفر نہ کرے۔ اس پر ایک شخص کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا کہ یارسول اللہؐ. میری بیوی حج کرنے نکلی ہے اور میرا نام فلاں اور فلاں جہاد میں لکھا گیا ہے۔ اس پر حضورؐ نے فرمایا کہ تو جا اور (جا کر) اپنی بیوی کے ساتھ حج کر۔ (مسلم)

حضرت عُقبہ رضؓ بن عامر بیان کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ (نامحرم) عورتوں کے پاس جانے سے پرہیز کرو (جبکہ وہ تنہا ہوں) اس پر ایک انصاری مرد نے کہا کہ یارسول اللہ، حَموُ (یعنی دیور جیٹھ وغیرہ) کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ دیور تو موت ہے (یعنی اس کے لیے اور زیادہ ضروری ہے کہ بھاوج تنہا ہو تو اس کے پاس نہ جائے۔) (بخاری)

مسلم، کتاب السلام باب تحریم الخلوۃ بالاجنبیہ الخ کی چوتھی حدیث میں لَیث بن سعد بیان کرتے ہیں کہ حَموُ سے مراد خاوند کا بھائی ہے یا خاوند کے رشتے داروں میں سے اس جیسے دوسرے رشتے دار مثلاً خاوند کا چچا کا بیٹا اور اس کی مانند دوسرے رشتے دار۔ واضح رہے کہ خاوند کے تعلق سے جو نامحرم ہوتے ہیں، ان کے لیے زیادہ احتیاط کی ضرورت غالباً اس لیے بھی ہے کہ بسا اوقات یہ لوگ عورت کے خاندان کے بھی نہیں ہوتے اور ان سے رشتے داری کا وہ تعلق نہیں ہوتا جو ایک دوسرے کی ہمدردی اور احترام پر مجبور کرے۔ خاوند کے رشتے داروں میں خُسر تو محرم ہوتا ہے مگر دیور جیٹھ محرم نہیں ہوتے۔

حضرت عبداللہ رضؓ بن عمرو رضؓ بن العاص بیان کرتے ہیں کہ بنو ہاشم کے چند

Marfat.com

لوگ حضرت اسماءؓ بنت عُمیس کے پاس آئے۔ پھر حضرت ابو بکر صدیقؓ تشریف
لے آئے اور اُن دنوں حضرت اسماءؓ بنت عُمیس حضرت ابو بکرؓ کے نکاح میں تھیں
حضرت ابو بکرؓ نے اُن ہاشمیوں کو دیکھا تو اس بات کو ناپسند کیا (یعنی ان کے
حضرت اسماءؓ کے پاس آنے کو)، پھر انہوں نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے
اس کا ذکر کیا اور (ساتھ ہی یہ بھی) عرض کیا کہ میں نے بھلائی کے سوا کچھ نہیں دیکھا۔
اس پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسماءؓ بنت عُمیس کو اللہ تعالیٰ نے
ایسے افعال سے بَری کیا ہے۔ پھر رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر کھڑے
ہوئے اور فرمایا کہ آج کے دن سے کوئی مرد ہرگز کسی ایسی عورت کے پاس
نہ جائے جس کا خاوند غیر حاضر ہو سوائے اس صورت کے کہ اس آنے والے
کے ساتھ ایک یا دو مرد اور ہوں۔ (مسلم)

اس سے واضح ہوتا ہے کہ جس خاتون کا شوہر گھر نہ ہو اس کے پاس جانے
سے پرہیز کی جائے۔ ظاہر ہے کہ یہ ہدایت حضورؐ نے نامحرموں ہی کے بارے
میں دی ہو گی۔ کیونکہ محرم رشتے داروں کے آنے پر تو کوئی پابندی نہیں چاہیے
عورت کا خاوند گھر ہو یا نہ ہو۔ اب چونکہ کسی وقت ایسی صورت پیدا ہو سکتی ہے
کہ کسی ضرورت کے لیے کسی عورت کے پاس جانا پڑ جائے تو حضورؐ نے اس شرط
کے ساتھ اجازت دی کہ آنے والا ایک نہ ہو ایک سے زیادہ ہوں۔ ظاہر ہے
کہ کسی تنہا آدمی کے آنے اور زیادہ لوگوں کے آنے میں بہت فرق ہے۔

حضرت عبداللہؓ بن مسعود بیان کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا کہ کوئی عورت کسی عورت سے مل کر اپنے خاوند سے اس کی اس
طرح تعریف نہ کرے گویا کہ وہ اُس عورت کو دیکھ رہا ہے۔ (بخاری)

یہ حکم بھی اسی مقصد کے لیے دیا گیا ہے کہ مرد کے دل میں کسی غیر عورت

Marfat.com

کے لیے غلط قسم کی کشش نہ پیدا ہو جائے۔ عجب نہیں کہ کسی عورت کا اپنے شوہر سے کسی غیر عورت کی شکل وصورت وغیرہ کی اس طرح عکاسی کرنا خود اس عکاسی کرنے والی ہی کے لیے کسی پریشانی کا باعث بن جائے۔

ستر

حیا اور پاکدامنی قائم رکھنے کے لیے ایک اور حکم یہ فرمایا گیا ہے کہ ستر کا دھیان رکھا جائے۔ اسلامی شریعت کا ایک اصول یہ ہے کہ جسم کے کچھ اعضاء کو تو کھلا رکھنے کی اجازت ہے اور بقیہ جسم کو ڈھانپ کر رکھنے کی ہدایت فرمائی گئی ہے۔ ستر کا مطلب ڈھانپنا بھی ہے اور ایسے ہی جن اعضاء کو ڈھانپ کر رکھنے کا حکم دیا گیا ہے انہیں بھی ستر کہا جاتا ہے۔ ستر کو نہ ڈھانپنا بھی بے حیائی ہی کی ایک شکل ہے اور اس سے تاکید کے ساتھ روکا گیا ہے۔

سورۃ الاعراف، آیت ۲۶ میں فرمایا گیا ہے:

یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَیْکُمْ لِبَاسًا یُّوَارِیْ سَوْاٰتِکُمْ وَرِیْشًاؕ وَلِبَاسُ التَّقْوٰیۙ ذٰلِکَ خَیْرٌؕ	اے اولادِ آدم ہم نے تم پر لباس نازل کیا ہے کہ تمہارے جسم کے قابل شرم حصّوں کو ڈھانکے اور تمہارے لیے جسم کی حفاظت و زینت کا ذریعہ بھی ہو اور بہترین لباس تقویٰ کا لباس ہے۔

تفہیم القرآن میں اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے بیان ہوا ہے:

"ان آیات میں جو کچھ ارشاد ہوا ہے اس سے چند اہم حقیقتیں نکھر کر سامنے آجاتی ہیں۔

اوّل یہ کہ لباس انسان کے لیے ایک مصنوعی چیز نہیں ہے بلکہ انسانی فطرت کا ایک اہم مطالبہ ہے۔ خدا نے انسان کے جسم پر حیوانات کی طرح کوئی پوشش

Marfat.com

پیدائشی طور پر نہیں رکھی بلکہ حیا اور شرم کا مادہ اس کی فطرت میں ودیعت کر دیا۔ اُس نے انسان کے لیے اس کے اعضائے صنفی کو محض اعضائے صنفی ہی نہیں بنایا بلکہ "سَوْءَۃ" بھی بنایا، جس کے معنی عربی زبان میں ایسی چیز کے ہیں جس کے اظہار کو آدمی قبیح سمجھے۔ پھر اس فطری شرم کے تقاضے کو پورا کرنے کے لیے اُس نے کوئی بنا بنایا لباس انسان کو نہیں دے دیا بلکہ اس کی فطرت پر لباس کا الہام کیا (اَنْزَلْنَا عَلَیْکُمْ لِبَاسًا) تاکہ وہ اپنی عقل سے کام لے کر اپنی فطرت کے اس مطالبے کو سمجھے اور پھر اللہ کے پیدا کردہ مواد سے کام لے کر اپنے لیے لباس فراہم کرے۔

دوم یہ کہ اس فطری الہام کی رو سے انسان کے لیے فطری لباس کی اخلاقی ضرورت مقدم ہے یعنی یہ کہ وہ اپنی سَوْءَۃ کو ڈھانکے اور اس کی طبعی ضرورت مؤخر ہے یعنی یہ کہ اُس کا لباس اس کے لیے ریش (یعنی جسم کی آرائش اور موسمی اثرات سے بدن کی حفاظت کا ذریعہ) ہو۔ اس باب میں فطرتاً انسان کا معاملہ حیوانات کے برعکس ہے۔ حیوانات کے لیے پوشش کی اصل غرض صرف اس کا ریش ہونا ہے، رہا اس کا ستر پوش ہونا تو ان کے اعضائے صنفی سرے سے سَوْءَۃ ہی نہیں ہیں کہ انہیں چھپانے کے لیے حیوانات کی جبلّت میں کوئی داعیہ موجود ہوتا اور اس کا تقاضا پورا کرنے کے لیے ان کے اجسام پر کوئی لباس پیدا کیا جاتا۔ لیکن جب انسانوں نے شیطان کی رہنمائی قبول کی تو معاملہ پھر الٹ گیا۔ شیطان نے اپنے ان شاگردوں کو اس غلط فہمی میں ڈال دیا کہ تمہارے لیے لباس کی ضرورت بعینہٖ وہی ہے جو حیوانات کے لیے ریش کی ضرورت ہے۔ رہا اس کا سَوْءَۃ کو چھپانے والی چیز ہونا، تو یہ قطعاً کوئی اہمیت نہیں رکھتا بلکہ جس طرح حیوانات کے اعضاء سَوْءَۃ نہیں ہیں اسی طرح تمہارے

Marfat.com

یہ اعضا بھی سوءۃ نہیں، محض اعضائے صنفی ہی ہیں۔

سوم یہ کہ انسان کے لیے لباس کا صرف ذریعۂ ستر پوشی اور وسیلۂ حفاظت و زینت ہونا ہی کافی نہیں ہے بلکہ فی الحقیقت اس معاملے میں جس بھلائی تک انسان کو پہنچنا چاہیے وہ یہ ہے کہ اس کا لباس تقویٰ کا لباس ہو یعنی پوری طرح ساتر بھی ہو، زینت میں بھی حد سے بڑھا ہوا یا آدمی کی حیثیت سے گرا ہوا نہ ہو، فخر و غرور اور ریاء و تکبّر کی شان لیے ہوئے بھی نہ ہو اور پھر ان ذہنی امراض کی نمائندگی بھی نہ کرتا ہو جس کی بناء پر مرد زنانہ پن اختیار کرتے ہیں، عورتیں مردانہ پن کی نمائش کرنے لگتی ہیں اور ایک قوم دوسری قوم کے مشابہ بننے کی نمائش کر کے خود اپنی ذلت کا زندہ اشتہار بن جاتی ہے"۔

اس تشریح کا خلاصہ یہ ہے کہ حیوانات کے برعکس انسان کے لیے لباس ذریعۂ زینت اور ذریعۂ حفاظت ہونے کے علاوہ ستر ڈھانپنے کا ذریعہ بھی ہے۔ اب اگر انسان لباس کو صرف ذریعۂ زینت و حفاظت ہی سمجھے گا اور اس سے ستر نہیں ڈھانپے گا تو گویا وہ حیوانات کے درجے پر آگرے گا۔ اس کے علاوہ لباس کے معاملے میں تقویٰ سے کام لینا بھی ضروری ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ لباس ساتر بھی ہو، اعتدال کے ساتھ ذریعۂ زینت و حفاظت بھی ہو، اسے غرور، تکبّر اور ریا کا ذریعہ نہ بنایا جائے اور لباس کے معاملے میں ایک دوسرے کی بیہودہ نقالی کرنے سے بھی بچا جائے۔ چنانچہ صحابۂ کرامؓ اور صحابیاتؓ نے لباس کے معاملے میں بھی اسلام کی تعلیمات پر پورے پورے طور پر عمل کرنے کی کوشش فرمائی۔

حضرت عائشہؓ فرمایا کرتی تھی کہ جب (سورۂ نور کی) یہ آیت نازل ہوئی۔
وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰی (اور اپنے سینوں پر اپنی اوڑھنیوں

Marfat.com

کے آنچل ڈالے رکھیں۔"
جُیُوبِہِنَّ ۲
تو (مہاجر خواتین نے) اپنے تہہ بند لیے اور انہیں کناروں کی طرف سے پھاڑ کر ان سے اپنے (سینوں) کو ڈھانپ لیا۔ (بخاری)

اس حدیث کی تشریح میں بتایا جاتا ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں عورتوں کا دستور تھا کہ اپنی اوڑھنیوں کو پشت کی طرف لٹکایا کرتی تھیں تاکہ گردنیں اور سینوں پر لٹکے ہوئے ہار وغیرہ نظر آئیں۔ سورۂ نور آیت ۳۱ میں انہیں حکم دیا گیا کہ اپنی اوڑھنیاں اپنے سینوں پر ڈالا کریں تاکہ گردنیں اور سینے وغیرہ چھپے رہیں۔ چنانچہ مسلمان خواتین نے اس حکم کی تعمیل میں اپنی اوڑھنیوں کو ویسے ہی اوڑھنا شروع کر دیا جیسے اوڑھنے کی انہیں ہدایت فرمائی گئی تھی۔

مُرجانہ بیان کرتی ہیں کہ (حضرت عائشہ رضؓ کی بھتیجی) حفصہ بنت عبدالرحمٰن ام المومنین حضرت عائشہ رضؓ کے پاس آئیں اور وہ باریک اوڑھنی اوڑھے ہوئی تھیں۔ حضرت عائشہ رضؓ نے اس باریک اوڑھنی کو پھاڑ ڈالا اور حفصہ کو ایک موٹی اوڑھنی اوڑھا دی۔ (موطّا)

حیا کے معاملے میں لباس کو ایک اہم حیثیت حاصل ہے۔ جیسے کہ اوپر بیان ہو چکا، لباس دو مقاصد پورے کرتا ہے۔ ایک تو یہ انسان کے لیے باعثِ زینت ہوتا ہے اور دوسرے یہ جسم کو ڈھانپنے کے کام آتا ہے۔ اسلام میں اسی لباس کو پسند کیا گیا ہے جو جسم کو ڈھانپے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جسم کے جن حصّوں کو ڈھانپ کر رکھنے کا حکم فرمایا ہے انہیں کھولنا بے حیائی ہے۔ باقی رہا لباس کا باعثِ زینت ہونا، تو یہ یاد رکھنا چاہیے کہ جسم پر لباس کا ہونا زینت ہے نہ کہ نہ ہونا۔ جو لباس اتنا ناکافی ہو یا اتنا باریک ہو کہ پہنا ہوا ہونے کے باوجود جسم کو نہ ڈھانپے وہ فی الحقیقت

Marfat.com

تو ہیں

لباس کے دونوں مقاصد کو پورا نہیں کر رہا یعنی نہ وہ ستر ڈھانپ رہا ہے اور نہ درحقیقت وہ باعثِ زینت ہے۔ اوڑھنی کا مقصد سر، سینہ اور گردن کو ڈھانپنا ہوتا ہے۔ اگر وہ اوڑھنی اتنی باریک ہو کہ اُسے اوڑھے ہوئے ہونے کے باوجود سر، گردن اور سینہ سب کھُلے ہوں تو پھر اس کا اوڑھنا بہت حد تک بے معنی ہو جاتا ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ بیان فرماتے ہیں کہ وہ عورتیں جو لباس پہنے ہیں (مگر اتنا باریک یا ناکافی لباس پہنے ہیں کہ پہن کر بھی گویا) عریاں ہیں، خود بھی حق سے ہٹی ہوئی ہیں اور (خاوندوں یا دوسرے لوگوں کو بھی) حق سے ہٹاتی ہیں (یا خود دوسروں پر مائل ہوتی ہیں اور اپنے ناز و انداز سے دوسروں کو اپنی طرف مائل کرتی ہیں) وہ جنت میں داخل نہیں ہوں گی اور اس کی خوشبو بھی نہیں پائیں گی، حالانکہ جنت کی خوشبو پانچ سو برس کی مسافت سے آتی ہے۔

(موطّا)

ابنِ جُرہد اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم ان کے پاس سے گزرے، ان کی ران کھلی ہوئی تھی، تو رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے (ان سے) فرمایا کہ اپنی ران کو ڈھانپو کیونکہ یہ بھی ستر میں داخل ہے (یعنی ایسا عضو ہے جسے ڈھانپ کر رکھنا چاہیے، کھولنا نہیں چاہیئے)

(ترمذی)

حضرت جابرؓ بن عبداللہؓ بیان کرتے ہیں کہ (حضورؐ کے لڑکپن میں) جب کعبے کی تعمیر شروع ہوئی تو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلّم اور حضرت عباسؓ پتھر اٹھا کر لا رہے تھے، حضرت عباسؓ نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلّم سے کہا کہ اپنے تہہ بند کو اپنی گردن پر رکھ لو تاکہ پتھر اٹھاتے ہوئے تکلیف نہ ہو۔ مگر جب

Marfat.com

حضورؐ نے ایسے کیا تو آپؐ بیہوش ہو کر زمین پر گر گئے اور آپؐ کی آنکھیں آسمان کی طرف لگ گئیں اور آپؐ کہنے لگے کہ میرا تہہ بند مجھے دے دیں۔ چنانچہ آپؐ نے تہہ بند کو (گردن پر رکھنے کے بجائے دوبارہ) باندھ لیا۔ (بخاری)

یہ واقعہ حضورؐ کے نبی ہونے سے بہت پہلے کا ہے اس سے پایا جاتا ہے کہ اسی زمانے میں جب ابھی اسلام آیا بھی نہیں تھا اور حضورؐ کی عمر بھی زیادہ نہیں تھی، حضورؐ کو ستر کا بہت زیادہ خیال تھا۔ حضرت عباسؓ نے از روئے شفقت یہ بات کی تھی تاکہ پتھر اٹھاتے ہوئے آپؐ کو زیادہ تکلیف نہ ہو۔ مگر اس کم عمری میں بھی صرف اس احساس سے کہ میں نے تہہ بند نہیں باندھا ہوا، حضورؐ بیہوش ہو کر گر پڑے۔

تاریخی واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ ہمارے نیکوکار بزرگ بھی حیا کے اس مظہر یعنی ستر ڈھانپنے کے معاملے میں بہت احتیاط سے کام لیتے رہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک دفعہ حضرت سید عبدالقادر جیلانیؒ دریائے دجلہ پر تشریف لے گئے۔ وہاں چند لوگوں کو برہنہ نہاتے دیکھا تو فرمایا کہ خدا کی قسم، مجھے بار بار مر کر زندہ ہونا پسند ہے لیکن ان لوگوں کا فعل پسند نہیں ہے۔

Marfat.com

معاشرے کی فضا کی پاکی کا بندوبست

واضح رہے کہ انسان کے باحیا اور پاکدامن رہنے میں اس ماحول کا بھی بہت حصّہ ہوتا ہے جس میں وہ زندگی گزار رہا ہوتا ہے۔ کوئی انسان کتنا ہی نیک کیوں نہ ہو اگر وہ ایسے معاشرے میں گھرا ہوا ہو جہاں چاروں طرف عریاں اور فحش قسم کی باتیں ہوتی رہتی ہوں اور ایک دوسرے پر تہمتیں لگانے کو تفریح کا ایک دل پسند ذریعہ سمجھا جاتا ہو تو دیر سویر وہ اپنے ماحول سے متاثر ہو کر رہے گا۔ الّا ماشاء اللہ۔ لہٰذا اسلام میں اس بات کی تاکید فرمائی گئی ہے کہ فحش باتیں کر کے معاشرے میں فحاشی پھیلانے سے پرہیز کی جائے اور بے گناہوں پر تہمتیں لگاتے ہوئے یہ یاد رکھا جائے کہ یہ جرم اتنا شدید ہے کہ آخرت کی بازپرس سے پہلے ہی اس کی دنیوی سزا بھی بڑی سخت رکھی گئی ہے معاشرے کی فضا کو پاک رکھنے کے لیے جو ہدایات دی گئی ہیں وہ انجام کار افراد کی حیا اور پاکدامنی کے قائم رہنے کا ذریعہ بنتی ہیں۔

نگاہ کی حفاظت کرنے کا حکم

عورت اور مرد کے درمیان ناجائز تعلق اور غلط محبّت کا پہلا قاصد چونکہ نظر ہوتی ہے، اس لیے مسلمان مردوں اور عورتوں دونوں کو حکم دیا گیا ہے کہ ایک دوسرے کے سامنے ہوں تو نگاہیں نیچی رکھیں اور ایک دوسرے کو بے باکی سے نہ دیکھیں، جیسے کہ اُوپر بیان ہو چکا ہے۔

Marfat.com

سورۃ النور، آیت ۳۰ میں حضورؐ کو مخاطب کر کے فرمایا گیا ہے:

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ. "اے نبیؐ، مومن مردوں سے کہہ دیں کہ وہ ذرا اپنی آنکھیں نیچی رکھیں"۔

اور اسی سورۃ کی آیت ۳۱ میں ارشاد ہوا ہے:

وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ ..... "اور اے نبیؐ، مومن عورتوں سے کہہ دیں کہ وہ ذرا اپنی آنکھیں نیچی رکھیں"۔

مسلم، کتاب الحج، باب حجۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی حدیث میں بیان ہوا ہے کہ ایک موقع پر حضورؐ نے اپنے چچازاد بھائی فضلؓ بن عباسؓ کو سواری پہ اپنے پیچھے بٹھایا ہوا تھا۔ فضل اچھے بالوں والے حسین وجمیل نوجوان تھے۔ جب آپؐ چلے تو عورتوں کی ایک جماعت گزری جس میں ایک ایک عورت ایک ایک اونٹ پر بیٹھی ہوئی تھی۔ فضل اُن کی جانب دیکھنے لگے تو حضورؐ نے اپنا ہاتھ فضلؓ کے چہرے پر رکھ دیا۔ اس پر فضلؓ نے اپنا مُنہ دوسری جانب پھیر لیا اور دیکھنے لگے تو حضورؐ نے اپنا ہاتھ دوسری جانب سے پھیر کر اُن کے چہرے پر رکھ دیا۔ یہ واقعہ بتاتا ہے کہ نامحرم عورتوں کی طرف ارادۃً دیکھنا ناپسندیدہ ہے۔ ایسے ہی بخاری، کتاب الاستیذان میں حضرت ابن عباسؓ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضورؐ کو فرماتے سنا کہ "آنکھ کی بدکاری دیکھنا ہے اور زبان کی بدکاری گفتگو کرنا ہے"۔ جس سے مراد یہ ہے کہ کسی نامحرم کو بُری نگاہ سے دیکھنا آنکھ کی بدکاری ہے اور کسی نامحرم سے لگاوٹ یا شہوت والی غیر شرعی گفتگو کرنا زبان کی بدکاری ہے۔

حضرت جریرؓ بن عبداللہؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے (نامحرم عورت پر) اچانک نگاہ پڑ جانے کے بارے میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت

Marfat.com

کیا تو آپؐ نے مجھے حکم دیا کہ نگاہ پھیر لیا کرو۔ (مسلم)

حضرت بُریدہ رضؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے (حضرت علی رضؓ سے) فرمایا کہ اے علی رضؓ ایک نگاہ (جو کسی نامحرم عورت پر اچانک پڑ جائے اس) کے بعد دوسری (ارادی) نگاہ نہ ڈالا کرو۔ کیونکہ پہلی کا تو تمہیں گناہ نہیں ہوگا مگر دوسری (جو تم نے ارادتاً ڈالی ہو گی اس) کا تمہیں گناہ ہوگا۔ (ترمذی)

نگاہ کی حفاظت میں یہ بات بھی شامل ہے کہ انسان کسی کے گھر کے اندر نہ جھانکے۔

حضرت ابوہریرہ رضؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلّم کو فرماتے سنا کہ ہم (ظہور کے اعتبار سے) آخری ہیں مگر جنت میں جانے والوں میں سے) پہلے ہوں گے۔ اور حضرت ابوہریرہ رضؓ ہی کا بیان ہے کہ (حضورؐ نے فرمایا کہ) اگر کوئی شخص تمہارے گھر میں جھانکے اور تم نے اسے ایسا کرنے کی اجازت نہ دی ہو (پھر) تم ایک کنکری مار کر اس کی آنکھ پھوڑ دو تو تم پر کوئی گناہ نہیں۔ (بخاری)

تاک جھانک کی کمینی عادت بہت سے اخلاقی مفاسد پیدا کرنے کا سبب بن جاتی ہے۔ لہٰذا حضورؐ نے کسی کے گھر کے اندر جھانکنے سے سختی سے منع فرمایا ہے۔ جیسا کہ حضورؐ کے بیان سے ظاہر ہے کہ گھر والے اگر ایسے واہیات انسان کی آنکھ پھوڑ دیں تو ان پر کوئی گناہ نہیں۔ گھر اللہ تعالیٰ نے ایک حفاظت کی جگہ بنایا ہے، چنانچہ جو لوگ اس پناہ گاہ کے اندر ہوں انہیں اس بات کی پوری تسلّی ہونی چاہیے کہ وہ باہر والوں کی دست درازی ہی سے نہیں بلکہ ان کی نگاہوں کے تیروں سے بھی پورے طور پر محفوظ ہیں۔

Marfat.com

حضرت سہلؓ بن سعد بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلّم کے حجروں میں سے کسی حجرے میں جھانکا۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلّم کے ہاتھ میں ایک کھجلانے والا آلہ تھا جس سے آپؐ اپنا سر مبارک کھجلا رہے تھے۔ پس حضورؐ نے فرمایا کہ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ تو جھانکے گا تو میں اس (کھجلانے والے آلے) کو تیری آنکھ میں چبھوتا۔ (کسی کے گھر میں داخل ہونے سے پہلے) اجازت لینے کا اصول اسی لیے تو مقرر کیا گیا ہے کہ (کسی کے اندرونِ خانہ اچانک اور بغیر اطلاع دیے) نگاہ نہ پڑے۔ (بخاری)

اپنے عیب علانیہ بیان کرنے کی ممانعت

جیسے کہ بیان ہو چکا ہے کہ بیحیائی کا تعلق صرف عمل ہی سے نہیں زبان سے بھی ہوتا ہے۔ بے حیائی سے تعلق رکھنے والے اعمال کا ذکر کرنا اور بے شرمی کی گفتگو کرنا بھی حیا کے خلاف ہے جس شخص نے لطف لے لے کر بُرائی کا ذکر کیا اس نے اپنی بے حیائی کا اعلان کیا اور اس کی بدترین شکل یہ ہے کہ انسان خود اپنے ہی گناہوں کا ذکر مزے لے لے کر کرے۔ جب معاشرے میں فحش اور گندی باتوں کو کھُلم کھُلا کیا جاتا ہے تو پھر فحش اور گندے کام بھی عام ہو جاتے ہیں، کیونکہ انسان جن بُرے اعمال کا ذکر کرتا اور سنتا رہے اُن کی بُرائی کا احساس اس کے دل سے بتدریج کم ہوتا چلا جاتا ہے اور جن اعمال کی بُرائی کا احساس کم ہوتا جائے وہ اعمال پھر معاشرے میں پھیلنے شروع ہو جاتے ہیں۔ جو لوگ اپنے گناہوں کا خود ہی اعلان کر کرکے اپنے آپ کو معاشرے میں بدنام کر لیتے ہیں وہ درحقیقت اپنے لیے مزید برائیوں کے دروازے کھول رہے ہوتے ہیں۔ اس لیے اس بات کو پسند نہیں کیا گیا کہ انسان اپنے عیبوں کو خود ہی فاش کرتا پھرے اور

Marfat.com

اس طرح اپنی جھجک کو بالکل ہی ختم کرکے ڈھیٹ بن جائے۔

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلّم کو فرماتے سنا کہ میری تمام امّت کے گناہ بخش دیے جائیں گے سوائے ان لوگوں کے گناہوں کے جو اپنے گناہوں کو فاش کرتے ہیں اور گناہوں کو فاش کرنا یہ ہے کہ بندہ رات کے وقت کوئی (بُرا) عمل کرے، پھر صبح ہونے تک اللہ نے اس کی پردہ پوشی کیے رکھی ہو (اور اس کے گناہ کا کسی کو پتہ نہ چلا ہو) لیکن (صبح ہونے پر) وہ (کسی سے) کہنے لگے کہ اے فلاں، میں نے تو کل رات ایسے اور ایسے کیا۔ حالانکہ اس کے رب نے اس کی عیب پوشی کی تھی اور رات بھر اس کی عیب پوشی کرتا رہا تھا مگر صبح اس نے اس پردے کو فاش کر دیا، جو خدا نے اس کے عیب پر ڈالا تھا۔ (مسلم)

حضرت عُبادہؓ بن صامت بیان کرتے ہیں کہ ہم رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلّم کے پاس تھے کہ آپؐ نے فرمایا کہ میری بیعت کرو اس بات پر کہ اللہ کے ساتھ شرک نہیں کرو گے اور چوری نہیں کرو گے اور بدکاری نہیں کرو گے۔ پھر آپؐ نے حاضرین کو (سورۃ الممتحنۃ کی) آیت نمبر ۱۲ پڑھ کر سنائی۔

(یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ یُبَایِعْنَكَ عَلٰٓى اَنْ لَّا یُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَیْـًٔا وَّ لَا یَسْرِقْنَ وَ لَا یَزْنِیْنَ وَ لَا یَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَ لَا یَاْتِیْنَ بِبُهْتَانٍ یَّفْتَرِیْنَهٗ بَیْنَ اَیْدِیْهِنَّ وَ اَرْجُلِهِنَّ وَ لَا یَعْصِیْنَكَ فِیْ مَعْرُوْفٍ فَبَایِعْهُنَّ وَ اسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝)

یعنی اے نبیؐ، جب تمہارے پاس مومن عورتیں بیعت کرنے کے لیے آئیں اور اس بات کا عہد کریں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں کریں

Marfat.com

گی اور چوری نہیں کریں گی اور بدکاری نہیں کریں گی اور اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گی اور اپنے ہاتھ پاؤں کے آگے کوئی بہتان گھڑ کر نہیں لائیں گی اور کسی امر معروف میں تمہاری نافرمانی نہیں کریں گی، تو ان سے بیعت لے لو اور ان کے حق میں اللہ سے مغفرت مانگو۔ یقیناً اللہ درگذر فرمانے والا اور رحم کرنے والا ہے۔"

یہ آیت تلاوت کر کے حضورؐ نے فرمایا کہ) تم میں سے جس نے اپنا یہ عہد پورا کیا تو اس کا اجر اللہ کے ذمّے ہے اور جس نے ان میں سے کسی (گناہ) کا ارتکاب کیا اور پھر اس کو سزا دے دی گئی تو وہ سزا اس کے گناہ کا کفّارہ ہو جائے گی اور جس نے ان میں سے کسی (گناہ) کا ارتکاب کیا اور پھر اللہ نے اس کے گناہ پر پردہ ڈال دیا تو پھر یہ اللہ کے سپرد ہے، چاہے تو اسے عذاب دے اور چاہے تو اسے بخش دے۔

(واضح رہے کہ) اس باب میں حضرت علیؓ، حضرت جریرؓ بن عبداللہؓ اور حضرت خزیمہؓ بن ثابت سے بھی روایات مذکور ہیں اور حضرت عُبادہؓ بن صامت کی (مندرجہ بالا) حدیث حسن صحیح ہے اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اس باب میں کہ شرعی سزا گناہ کرنے والے کے گناہ کا کفّارہ ہو جاتی ہے۔ اس حدیث سے بہتر حدیث نہیں سنی اور امام شافعیؒ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ جو شخص گناہ کرے اور پھر خدا اس کے گناہ پر پردہ ڈال دے (اور وہ مشہور نہ ہو) تو میں اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ وہ شخص خود بھی اپنے گناہ کو چھپائے اور جو بات صرف اس کے اور اس کے رب کے درمیان ہے (اور لوگ اس سے آگاہ نہیں ہوئے) اس کے بارے میں توبہ کرتا رہے۔ اور ایسے ہی حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے بارے میں بھی روایت

Marfat.com

کیا گیا ہے کہ انہوں نے ایک شخص کو حکم فرمایا تھا کہ وہ اپنے گناہ کو چھپائے۔ (ترمذی)

تہمتیں لگانے کی سزا

سورۃ النور آیات ۲۳ اور ۲۴ میں فرمایا گیا ہے۔

"جو لوگ پاکدامن، بے خبر، مومن عورتوں پر تہمتیں لگاتے ہیں ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت کی گئی اور ان کے لیے بڑا عذاب ہے۔ (وہ) اُس دن (کو بھول نہ جائیں) جبکہ اُن کی اپنی زبانیں اور اُن کے اپنے ہاتھ پاؤں ان کے کرتوتوں کی گواہی دیں گے۔ اُس دن اللہ انہیں وہ بدلہ بھرپور دیدے گا جس کے وہ مستحق ہیں اور انہیں معلوم ہو جائے گا کہ اللہ ہی حق ہے سچ کو سچ کر دکھانے والا۔"

ایسے ہی سورۃ النور، آیات ۴ میں ارشاد ہوا ہے:

"اور جو لوگ پاکدامن عورتوں پر تہمت لگائیں، پھر اپنے اس دعویٰ پر گواہی دینے کے لیے) چار گواہ لے کر نہ آئیں اُن کو اسّی کوڑے مارو اور ان کی شہادت کبھی قبول نہ کرو اور وہ خود ہی فاسق ہیں......"

اگرچہ ان آیات میں عورتوں پر تہمت لگانے کا ذکر ہے، مگر علماء اس بات پر متفق ہیں کہ بے گناہ مردوں پر تہمت لگانے کی بھی یہی سزا ہے۔

یہاں جو کچھ واضح کرنا مقصود ہے، وہ یہ ہے کہ بے گناہوں پر تہمتیں لگانا شدید قسم کا گناہ ہے۔

Marfat.com

فحاشی پھیلانے کی ممانعت

ایسے ہی جن لوگوں کا ایسی سرگرمیوں سے تعلق ہوتا ہے جو معاشرے میں فحاشی پھیلانے والی ہوتی ہیں انہیں تنبیہہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے:

"جو لوگ چاہتے ہیں کہ ایمان لانے والوں کے گروہ میں فحش پھیلے وہ دنیا اور آخرت میں دردناک سزا کے مستحق ہیں۔ اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔" (سورۃ النور، آیت:۱۹)

اس آیت کے الفاظ فحاشی پھیلانے کی تمام صورتوں پر حاوی ہیں۔ افراد اس قسم کی ناپاک سرگرمیوں میں مصروف ہوں یا ادارے، اسلامی حکومت کا فرض ہے کہ انہیں ایسا کرنے سے روکے اور انہیں قرار واقعی سزا دے تاکہ وہ دوسرے لوگوں کے لیے عبرت کا باعث بن کر فحاشی کی روک تھام کا ذریعہ بنے۔ آیت کے آخر میں جو فرمایا گیا ہے کہ "اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے"، تو اس سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ تم لوگ نہیں جانتے کہ ان ناجائز سرگرمیوں کے اثرات کہاں تک پہنچتے ہیں، کتنے افراد کو متاثر کرتے ہیں اور بالآخر اجتماعی زندگی کو ان سے کتنا زبردست نقصان پہنچتا ہے۔ اس خرابی کا پورا اندازہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے جس کا علم ہر شے پر محیط ہے۔ لہٰذا تم اللہ کے فرمان کی تعمیل کرو اور ان ناپاک سرگرمیوں کو پوری قوت سے دبانے کی کوشش کرو تاکہ ان کے تباہ کن اثرات سے بچ جاؤ۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، نے خلیفہ منتخب ہونے کے بعد مسجد نبوی ﷺ میں جو پہلی تقریر کی، اس میں آپؓ نے فرمایا کہ:

Marfat.com

"کبھی ایسے نہیں ہوتا کہ کوئی قوم اللہ کی راہ میں جدوجہد چھوڑ دے اور اللہ اس پر ذلّت مسلّط نہ کر دے،
اور کسی قوم میں فحش باتیں پھیلیں اور اللہ تعالیٰ اس کو عام مصیبت میں مبتلا نہ کر دے۔"

Marfat.com

امانت و دیانت

Marfat.com

Marfat.com

امانت، دیانت اور خیانت

مفہوم کسی چیز کا اصل مالک جب اپنی اُس چیز کو کچھ معیّن عرصے کے لیے کسی اور کی حفاظت میں رکھواتا ہے تو اس چیز کو "امانت" کہا جاتا ہے اور جس کے پاس وہ امانت رکھوائی جاتی ہے وہ "امین" کہلاتا ہے۔ اب اگر اُس امین نے اُس امانت کو حفاظت سے رکھا، اس ساری شے یا اُس کے کچھ حصّے کو غصب کرنے کی کوشش نہ کی، نہ اس میں کوئی خرابی پیدا کی، نہ لاپرواہی سے اُسے ضائع کیا اور مقررہ وقت پر اُسے جُوں کا توُں اصل مالک کو واپس کر دیا تو یہ "دیانت" ہے جسے انسان کی ایک بہت بڑی اور بہت قابلِ قدر خوبی سمجھا جاتا ہے۔ لیکن اگر اس شخص نے، جس کے پاس امانت رکھی گئی تھی، اس ساری امانت یا اُس کے کچھ حصّے پر قبضہ کر لینے کی کوشش کی یا اُسے واپس بھی کیا تو خراب کر کے واپس کیا یا اس سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتا رہا تو یہ "خیانت" ہے جسے انسان کا ایک بڑا گھناؤنا عیب شمار کیا گیا ہے۔

دیانت و امانت کے یہ معنی جو بیان کئے گئے ہیں، فی الواقع ان الفاظ کے محدود معنی ہیں کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں الفاظ بہت وسیع معنوں کے حامل ہیں۔ انسان کو اللہ تعالیٰ نے یہ عارضی دنیوی زندگی گزارنے اور دائمی اُخروی زندگی کی کامیابی حاصل کرنے کے لیے جو قوّتیں، صلاحیتیں

Marfat.com

اور وسائل و ذرائع دے رکھے ہیں، ان کا اصل مالک اللہ تعالیٰ ہے۔ یہاں تک کہ انسان کی جان کا مالک بھی وہی ہے۔ یہ ملکیتیں اس نے انسان کو ایک محدود مدّت کے لیے دے رکھی ہیں اور اس محدود مدّت کے پوری ہو جانے کے بعد وہ انہیں واپس لے لے گا۔ اب جب تک اللہ کی یہ ملکیتیں جو اس نے عارضی طور پر انسان کو دے رکھی ہیں، اس کے پاس رہتی ہیں اُن کی حیثیت امانتوں ہی کی ہوتی ہے، جو انسان نے لازماً ایک دن اصل مالک کو واپس کرنی ہیں۔ انسانوں کی انسانوں کے پاس رکھوائی ہوئی امانتوں اور ان امانتوں میں جو خدا نے انسانوں کو دے رکھی ہیں، ایک خاص فرق ہے۔ وہ یہ کہ انسانی امانت کو تو امین نے سنبھال کر رکھ دینا ہوتا ہے۔ نہ اُنہیں استعمال کرنے کی اجازت ہوتی ہے اور نہ اُن سے کوئی فائدہ اٹھانا درست ہوتا ہے مگر یہ امانتیں جو اللہ تعالیٰ نے انسان کو دے رکھی ہیں، ان کی یہ صورت ہوتی ہے کہ انہیں استعمال بھی کیا جا سکتا ہے اور ان سے فائدہ بھی اٹھانے کی اجازت ہے مگر ایک خاص پابندی کے ساتھ وہ یہ کہ انہیں اصل مالک کی مرضی کے مطابق استعمال کیا جائے اور اُن سے صرف وہی فائدے اٹھائے جائیں جن کی اصل مالک نے اجازت دے رکھی ہو۔ لہٰذا جب انسان ان قوّتوں، صلاحیتوں اور وسائل و ذرائع کو اصل مالک کی مرضی کے مطابق استعمال کرتا ہے تو یہ "دیانت" ہے اور اگر وہ انہیں استعمال کرتے ہوئے اور ان سے فائدے حاصل کرتے ہوئے اصل مالک کی رضا کی پروا نہیں کرتا اور اُن سے وہ کام لینا شروع کر دیتا ہے جو اصل مالک کو ناراض کرنے والے ہوتے ہیں، تو یہ "خیانت" ہے۔

مثلاً اللہ تعالیٰ نے ایک شخص کو ہاتھ پاؤں، سمجھ بُوجھ اور بعض خاص

Marfat.com

وسائل و ذرائع کی امانتیں عطا کر رکھی ہیں تاکہ ان سے کام لے کر وہ اپنی
روزی کمائے۔ اب اگر تو وہ شخص اللہ کی ان امانتوں سے کام لے کر
اپنی روزی کمانے کے لیے ایسے طریقے اختیار کرتا ہے جنہیں خدا نے
جائز قرار دیا ہے تو اس کا ایسا کرنا دیانت ہے اور اگر وہ خدا کی ان
امانتوں سے کام لے کر رشوت خوری، جوا بازی، لوٹ مار، چوری چکاری،
سود خوری وغیرہ ایسے طریقوں سے مال حاصل کرنا شروع کر دیتا ہے جنہیں
خدا تعالیٰ نے ناجائز قرار دیا ہے، تو یہ "خیانت" ہوگی۔
ایسے ہی اللہ تعالیٰ نے کسی پر کوئی ذمہ داری ڈالی ہے اور اس ذمہ داری
کو پورا کرنے کے لیے اُسے ضروری وسائل و ذرائع کی امانتیں عطا کی ہیں اب
اگر تو اس نے یہ وسائل و ذرائع حاصل کر کے اس ذمہ داری کو بحسن و خوبی
پورا کیا تو وہ "دیانت دار" ہے اور اگر اس نے وسائل و ذرائع تو حاصل
کر لیے مگر اس ذمہ داری کو پورا نہ کیا، جسے پورا کرنے کے لیے وہ وسائل و
ذرائع اسے دیے گئے تھے، تو اس نے "خیانت" کی۔ لہٰذا وہ حکمران اور
سرکاری افسر جو تنخواہیں، اختیارات اور مراعات حاصل کر کے پھر پوری تندہی
سے ملک و ملت کی وہ خدمات بجا لاتے ہیں، جن کے لیے انہیں یہ وسائل
اور ذرائع دیے گئے تھے، "دیانت دار" ہیں۔ مگر جو اختیارات اور مراعات
تو حاصل کر لیتے ہیں مگر ملک و ملت کی خدمت سے مجرمانہ غفلت برتتے
ہیں، وہ "خائن" ہیں۔
مثال کے طور پر حکومت اور کئی پرائیویٹ ادارے استادوں کو تنخواہیں
اور دوسری سہولتیں بہم پہنچا کر اس کام پر معیّن کرتے ہیں کہ وہ ملّت کے
بچّوں اور نوجوانوں کو زیورِ علم سے آراستہ کریں۔ جب استاد نے اس

Marfat.com

فرض کو پوری فرض شناسی سے انجام دینے کے لیے اپنے مضمون کا مطالعہ جاری رکھا، طالب علموں کو جو کچھ پڑھایا اسے پہلے اچھی طرح تیار کیا اور جماعت کے کمرے میں دیر سے آنے، جلدی کلاس چھوڑ دینے اور بے جا چھٹیاں کرنے سے پرہیز کی تو وہ دیانت دار ہے مگر جس اُستاد نے تنخواہ اور سہولتیں تو لے لیں مگر طالب علموں کو علم سکھانے کے بجائے محض ٹرخا دیا، وہ خائن ہے۔

ایسے ہی طبیب لوگ حکومت سے تنخواہیں لیتے ہیں یا عوام سے بھاری فیسیں وصول کرتے ہیں تاکہ لوگوں کی بیماریوں کی صحیح تشخیص کر کے ان کا درست علاج کریں۔ پھر جس طبیب نے اس راہ میں وہ سب کوششیں کر لیں جو اس کے بس میں تھیں، وہ دیانت دار ہے۔ مگر جس نے تنخواہ یا فیس تو وصول کر لی مگر نہ بیماری کی صحیح تشخیص کرنے کے لیے دماغ پہ زور ڈالا، نہ درست علاج کرنے کے لیے مشقّت کی، وہ خائن ہے۔

ایسے ہی لوگ اپنی محنت کی کمائی ضروریاتِ زندگی حاصل کرنے کے لیے تاجروں کو دیتے ہیں۔ اب اگر یہ تاجر انہیں اچھی خالص اور پوری چیز بہم پہنچائیں تو وہ دیانتدار ہیں، لیکن اگر وہ قیمت تو خالص اور اچھی چیز کی وصول کریں مگر جو چیز انہیں دیں وہ عیب والی، ناقص اور آمیزش والی ہو یا ناپ تول میں فریب کر کے انہیں قیمت سے کم چیز دیں، تو یہ خیانت ہے۔

ایسے ہی قومی دولت کا خاصا حصہ ریڈیو، ٹی وی وغیرہ پہ صرف ہو جاتا ہے۔ اب اگر ان اداروں کے انچارج، ملازمین اور متعلقین فرض شناسی سے کام لیتے ہوئے عوام کو ایسے پروگرام دکھائیں جو انہیں جائز اور مفید تفریح کے ساتھ ضروری علوم بھی بہم پہنچائیں اور ان کے شعور

Marfat.com

کی عمدہ تربیت کریں تو ان اداروں کے ذمہ دار لوگ دیانت دار ہیں، لیکن اگر وہ ایسے پروگرام مرتب کرتے شروع کر دیں جو ملک کی نظریاتی سرحدوں کو کمزور کریں، عوام کو اس وہم میں مبتلا کر دیں کہ تفریح صرف ناچ رنگ ہی کا نام ہے اور نوجوان طبقے کو آزاد معاشقوں کا سبق اور چوریاں کرنے اور ڈاکے ڈالنے کے گر سکھانے لگیں تو وہ ذمہ دار لوگ خائن ہیں۔

ایسے ہی حکومت بھاری رقوم خرچ کر کے دوسرے ممالک میں سفارتخانے کھولتی ہے تاکہ ان ممالک میں اپنے ملک کے مفاد کا دھیان رکھوا سکے۔ اب اگر ان سفارت خانوں کے انچارج اور ان کے عملے ہوشیار اور چوکنے رہیں، اپنے فرائض کو عمدگی سے ادا کرتے رہنے کی طرف متوجہ رہیں اور سوجھ بوجھ اور مفید دوڑ دھوپ سے کام لے کر اپنے ملک کا اچھا نام پھیلانے اور اس کے مفاد کا دھیان رکھنے کے لیے ہر ممکن سعی کرتے رہیں تو وہ دیانتدار ہیں۔ لیکن اگر انہوں نے سفارت خانوں سے متعلق ہونے کے مادّی فوائد تو حاصل کر لیے مگر اس زندگی کو بزعم خود صرف شان و شکوہ دکھانے اور مادّی فوائد حاصل کرنے کا ذریعہ ہی گردانا اور ملک کو وہ فوائد پہنچانے سے مجرمانہ غفلت برتی جن کی خاطر ہی سفارت خانے کھولے جاتے ہیں تو وہ خائن ہے۔

دیانت کی فضیلت اور خیانت کی ممانعت

انسانی معاملات کے حسن و خوبی کے ساتھ چلتے رہنے کے معاملے میں دیانت داری کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔ یہ دیانت ہی ہے جس کی بناء پر نیکوکار لوگ حلال اور حرام روزی میں فرق کرتے اور حلال روزی حاصل کرنے پر اصرار کرتے ہیں۔ اور یہ دیانت

Marfat.com

ہی ہے جسے ہم کبھی فرض شناسی اور کبھی حسنِ معاملہ کا نام دیتے ہیں۔ فرد ہو یا معاشرہ دیانت داری ہمیشہ دنیا میں عزّت و احترام اور نیک نامی اور آخرت میں سچّی کامیابی کے حصول کا ذریعہ بنتی ہے۔ دیانت داری کی تعریف میں جو کچھ کہا جاتا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان اپنے فرائض فکر سے ادا کرے جو ان چیزوں پر نا لیف نہ ہو جن پر قبضہ کرنے کا اُسے حق نہیں پہنچتا اور یہ یاد رکھتے ہوئے کہ ایک دن اُسے خدا کے حضور میں پہنچ کر اپنے اعمال کا حساب دینا ہے، خدا کی عطا کردہ امانتوں سے صحیح کام لے اور انہیں غلط طور پر استعمال کرنے سے بچتا رہے، چاہے یہ امانتیں اعضائے جسمانی کی شکل میں ہوں، چاہے زندگی اور تندرستی کی شکل میں، چاہے قوتوں اور صلاحیتوں کی شکل میں، چاہے علم اور سمجھ بوجھ کی شکل میں، چاہے مختلف مہارتوں کی شکل میں، چاہے مال و دولت کی شکل میں، چاہے اقتدار و اختیارات کی شکل میں، چاہے کسی اور ایسی ہی شکل میں۔ امانت داری کی وہ معروف شکل یعنی کسی انسان کی رکھوائی ہوئی امانت کی حفاظت کرنا اور اُسے جُوں کا تُوں لوٹانا اسی دیانت داری کا ایک حصّہ ہے۔

سورۃ المؤمنون کی ابتدائی آیات میں اللہ تعالیٰ نے فلاح پانے والے مومنوں کی صفات بتاتے ہوئے آیت ۸ میں فرمایا ہے۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ۙ	"اور جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد و پیمان کا پاس رکھتے ہیں۔"

تفہیم القرآن میں اس کی تشریح کرتے ہوئے بیان ہوا ہے:

"امانات کا لفظ جامع ہے ان تمام امانتوں کے لیے جو خداوند عالم نے، یا معاشرے نے یا افراد نے کسی فرد کے سپرد کی ہوں" اور عہد و پیمان میں وہ

Marfat.com

سارے معاہدے داخل ہیں جو انسان اور خدا کے درمیان، یا انسان اور انسان کے درمیان، یا قوم اور قوم کے درمیان استوار کئے گئے ہوں ۔ مومن کی صفت یہ ہے کہ وہ کبھی امانت میں خیانت نہ کرے گا اور کبھی اپنے قول و قرار سے نہ پھرے گا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اکثر اپنے خطبوں میں فرمایا کرتے تھے۔

لا ایمان لمن لا امانۃ لہٗ ولا دین لمن لا عھد لہٗ۔ (بیہقی فی شعب الایمان)

جو امانت کی صفت نہیں رکھتا وہ ایمان نہیں رکھتا اور جو عہد کا پاس نہیں رکھتا وہ دین نہیں رکھتا۔

بخاری اور مسلم کی متفق علیہ روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ چار خصلتیں ہیں کہ جس میں وہ چاروں پائی جائیں وہ خالص منافق ہے اور جس میں کوئی ایک پائی جائے اس کے اندر نفاق کی ایک خصلت ہے جب تک کہ وہ اسے چھوڑ نہ دے۔ (وہ چار خصلتیں یہ ہیں کہ) جب کوئی امانت اس کے سپرد کی جائے تو وہ خیانت کرے، جب بولے تو جھوٹ بولے، جب عہد کرے تو توڑ دے اور جب کسی سے جھگڑے تو (اخلاق اور دیانت کی) ساری حدیں توڑ دے۔"

انسانیت کی سب سے بڑی خیر خواہی یہ ہے کہ انسانوں کو صحیح زندگی گزارنے کا ڈھنگ سکھایا جائے۔ یہ کام انبیاء نے کیا تھا اور پوری دیانتداری سے کیا تھا۔ لہٰذا ہم دیکھتے ہیں کہ انبیاء نے اپنے لیے لفظ "امین" استعمال کیا ہے۔ سورۃ الشعراء کی آیت ۱۰۷ میں حضرت نوحؑ نے، آیت ۱۲۵ میں حضرت ہودؑ نے، آیت ۱۴۳ میں حضرت صالحؑ نے، آیت ۱۶۲ میں حضرت لوطؑ نے اور آیت ۱۷۸ میں حضرت شعیبؑ نے اپنی قوم کو خدا کا پیغام پہنچاتے ہوئے

Marfat.com

ایک ہی طرح کا فقرہ بولا ہے :

اِنِّیْ لَکُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ۔ (میں تمہارے لیے ایک امانتدار رسول ہوں ۔)

ایسے ہی اسی سورت کی آیت ۱۹۳ میں حضرت جبرئیلؑ کو بھی یہی لقب عطا کیا گیا ہے ۔ قرآن پاک کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ :

نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِیْنُ ۔ (اسے امانت دار روح لے کر اتری ہے ۔)

حضرت جبرئیلؑ کی امانت داری یہ تھی کہ وہ خدا کے پیغام کو جُوں کا تُوں انبیاء تک پہنچا دیتے تھے اور انبیاءؑ پھر اس امانت کو انسانوں تک پہنچا دیتے تھے ۔ پیغمبر بننے سے پہلے ہی پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امانت داری اور دیانت داری میں اتنے مشہور ہو چکے تھے کہ قریش نے آپؐ کو جو القاب دے رکھے تھے ان میں ایک "الامین" تھا ۔

اب ذیل میں جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی کچھ احادیث بیان کی جا رہی ہیں جن میں دیانت کی فضیلت اور خیانت کی مذمت فرمائی گئی ہے ۔ سب سے پہلے وہ احادیث بیان کی جاتی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ انسان کو اپنی کمائی کے معاملے میں ازحد محتاط ہونا چاہیے ۔ حرام ذرائع سے آیا ہوا پیسہ خیر و برکت سے خالی ہوتا ہے اور ہزار اقسام کی خرابیوں کا ذریعہ بن جاتا ہے ۔

حضرت ابوھریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ اے لوگو ، اللہ پاک ہے اور پاک چیز ہی قبول کرتا ہے ۔ اور خدا نے مومنوں کو وہی حکم دیا جو اُس نے رسولوں کو دیا ۔ پس اللہ تعالیٰ نے رسولوں

Marfat.com

سے) فرمایا کہ "اے رسولو! پاک چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرو۔ بے شک جو کچھ تم عمل کرتے ہو میں اسے جاننے والا ہوں"۔ اور اللہ تعالیٰ نے (مومنوں سے) فرمایا کہ "اے ایمان لانے والو، جو پاکیزہ چیزیں ہم نے تمہیں دے رکھی ہیں ان میں سے کھاؤ"۔ پھر حضورؐ نے ایک ایسے شخص کا ذکر کیا جو (حج یا کوئی اور نیک عمل کرنے کے ارادے سے) لمبے لمبے سفر کرتا ہے، (سفر کی مشقّت کے باعث) اس کے بال پریشان ہیں اور وہ غبار آلود ہے اور وہ اپنے ہاتھ آسمان کی طرف پھیلا پھیلا کر پکارتا ہے کہ اے میرے ربّ، اے میرے ربّ، مگر (حال یہ ہے کہ) اُس کا کھانا بھی حرام (کمائی) کا ہے اور اُس کا پینا بھی حرام (کمائی) کا ہے اور اس کا لباس بھی حرام (کمائی) کا ہے اور حرام (کمائی) ہی سے اس کی پرورش کی گئی ہے تو ایسے شخص کی دعا کیونکر قبول ہو سکتی ہے۔ (مسلم)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسری خرابیوں کے علاوہ حرام کمائی والے شخص کی دعا بھی قبول نہیں ہوتی۔

حضرت عائشہ رضؓ بیان کرتی ہیں کہ حضرت ابوبکر رضؓ کا ایک غلام تھا جو آپ کو خراج دیا کرتا تھا اور حضرت ابوبکر رضؓ اس (خراج) میں سے کھاتے تھے۔ ایک دن وہ غلام کوئی شے لے کر آیا (اور حضرت ابوبکر رضؓ کو دی) اور حضرت ابوبکر رضؓ نے اس میں سے کھایا تو غلام نے اُن سے کہا کہ کیا آپ جانتے ہیں کہ یہ کیا چیز ہے۔ حضرت ابوبکر رضؓ نے فرمایا کہ کیا ہے۔ غلام نے کہا کہ میں نے زمانۂ جاہلیت میں ایک شخص کو آئندہ ہونے والی بات بتائی (یعنی کہانت کی) حالانکہ میں کہانت کا فن جانتا نہیں تھا، میں نے تو صرف اُسے دھوکہ دیا تھا تو (آج) وہ شخص مجھے ملا اور وہ جو میں نے اُسے آئندہ

Marfat.com

ہونے والی بات بتائی تھی، اس کے عوض اُس نے مجھے یہ چیز دی۔ پس یہی وہ شے ہے جس میں سے آپ نے کھایا ہے۔ یہ بات سن کر حضرت ابوبکرؓ نے اپنا ہاتھ (منہ میں) ڈالا اور جو کچھ اُن کے پیٹ میں تھا سب قے کر دیا (تاکہ وہ حرام طریقے سے حاصل کی ہوئی چیز ان کے پیٹ میں نہ رہے)۔ (بخاری)

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ لوگوں پر ایسا زمانہ آئے گا کہ آدمی پروا نہیں کرے گا کہ اس نے کس ذریعے سے (مال) حاصل کیا ہے۔ آیا حلال ذریعے سے یا حرام ذریعے سے۔ (بخاری)

بظاہر یہ ایک خبر ہے کہ ایسا ایک زمانہ آئے گا جب لوگ اپنی کمائی کے معاملے میں حرام اور حلال کا فرق بھول جائیں گے مگر درحقیقت اس میں اُس زمانے کی مذمت ہے۔ جب معاشرے میں حرام حلال کا فرق مٹ جاتا ہے اور لوگوں کا مطمحِ نظر صرف دولت حاصل کرنا ہو جاتا ہے چاہے وہ کیسے ہی بُرے طریقے سے کیوں نہ حاصل ہوتی ہو، تو پھر معاشرے میں ان گنت بُرائیاں جنم لے لیتی ہیں۔ ناپاک ذرائع سے حاصل کی ہوئی دولت سچی خوشی اور حقیقی سکون دینے سے تو قاصر رہتی ہے مگر اس کے باعث عیاشیاں اور بدمعاشیاں خوب پھلتی پھولتی ہیں اور ہوسِ زر کے باعث بھائی بھائی کا دشمن اور خون کے رشتے ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو جاتے ہیں۔ اس سے انسان کے دکھ بڑھتے ہیں اور سُکھ اور چین کم ہو جاتا ہے بلکہ بعض اوقات بالکل ختم ہو کر رہ جاتا ہے۔

دیانتداری کی ایک شکل حسنِ معاملہ بھی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ انسان مالی لین دین کے معاملے میں دیانتداری سے کام لے۔ مثال

Marfat.com

کے طور پر ایک شخص نے دوسرے شخص سے قرض لیا ہے تو قرضدار کو ادائیگی کی فکر رہنی چاہیے۔ اگر وہ استطاعت ہوتے ہوئے بھی قرض ادا نہ کرے گا تو بددیانت ٹھہرے گا۔ دوسری طرف قرض خواہ کے لیے بھی ضروری ہے کہ کوئی چکّر چلا کر جتنا قرض دیا تھا اس سے زیادہ لینے کی کوشش نہ کرے ورنہ وہ بھی بددیانت ہوگا۔

حضرت ابو قتادہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلّم ان کے درمیان کھڑے ہوئے اور بیان فرمایا کہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنا اور اللہ پر ایمان لانا سب اعمال سے زیادہ افضل ہے۔ اس پر ایک شخص کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا کہ یا رسولؐ اللہ، یہ تو فرمایئے کہ اگر میں اللہ کی راہ میں قتل کر دیا جاؤں تو کیا یہ میرے گناہوں کا کفّارہ ہو جائے گا۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ ہاں، اگر تو اللہ کی راہ میں قتل کر دیا جائے اس حال میں کہ تو صابر ہو (یعنی ثابت قدم ہو) تیرا مقصود خالص خدا کی رضا مندی حاصل کرنا ہو، تو آگے بڑھنے والا ہو، پشت دکھانے والا نہ ہو، تو تیرا جہاد فی سبیل اللہ کرنا تیرے گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا، یہ فرمانے کے بعد پھر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلّم نے (اس شخص سے فرمایا کہ (ہاں) تم نے کیا کہا تھا۔ اس نے عرض کیا کہ یہ تو فرمایئے کہ اگر میں اللہ کی راہ میں قتل کر دیا جاؤں تو کیا یہ میرے گناہوں کا کفّارہ ہو جائے گا۔ اس پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ ہاں بشرطیکہ تو صابر ہو، تیرا مقصود خالص خدا کی رضا حاصل کرنا ہو، تو آگے بڑھنے والا ہو، پُشت دکھانے والا نہ ہو (تو تیرا جہاد فی سبیل اللہ کرنا تیرے گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا (سوائے قرض کے (کہ یہ معاف نہیں ہوگا) یہ بات جبرئیلؑ نے مجھے بتائی ہے۔ (ترمذی)

Marfat.com

یعنی شہید جیسے فضیلت والے شخص کے لیے بھی ضروری ہے کہ قرض ادا کر چکا ہو۔

حضرت محمدؓ بن جحش بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ حضورؐ نے اپنا سر مبارک آسمان کی طرف اٹھایا، پھر اپنی ہتھیلی کو اپنی پیشانی پر رکھ لیا۔ پھر فرمایا، سبحان اللہ کتنی سختی اتری ہے۔ ہم لوگ خاموش رہے اور سہم گئے۔ پھر جب دوسرا دن ہوا تو ہم نے حضورؐ سے پوچھا کہ یا رسول اللہؐ، یہ سختی کیسی ہے جو اتری۔ حضورؐ نے فرمایا کہ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اگر کوئی شخص اللہ کی راہ میں قتل کیا جائے، پھر زندہ کیا جائے، پھر قتل کیا جائے، پھر زندہ کیا جائے، پھر قتل کیا جائے اور اس پر قرض ہو تو وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا، جب تک کہ اس کی طرف سے اس کا قرض ادا نہ کیا جائے۔

(النسائی)

حضورؐ کے ارشادات سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ اگر کوئی شخص قرض ادا کئے بغیر وفات پا جائے تو اگر کوئی اور شخص اس کا قرضہ ادا کر دے تو خدا کے نزدیک وہ ادا ہو جاتا ہے یا قرض خواہ اسے قرض معاف کر دے تو اللہ کے نزدیک وہ معاف ہو جائے گا۔

حضرت سمرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ہمیں خطبہ دیا، پھر فرمایا کہ کیا فلاں قبیلے کا کوئی آدمی یہاں ہے تو کسی نے آپؐ کو جواب نہ دیا۔ آپؐ نے پھر فرمایا کہ کیا فلاں قبیلے کا کوئی آدمی یہاں ہے۔ پھر آپؐ کو کسی نے جواب نہ دیا۔ آپؐ نے پھر (تیسری دفعہ) فرمایا کہ کیا فلاں قبیلے کا کوئی آدمی یہاں ہے؟ اس پر ایک شخص اُٹھ کر

Marfat.com

کھڑا ہو گیا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ، میں ہوں۔ حضورؐ نے فرمایا کہ تم نے پہلی دو بار مجھے جواب کیوں نہیں دیا۔ میں تو تم لوگوں کو بھلی بات ہی بتاتا ہوں (سن لو کہ) تمہارا ساتھی (جو فوت ہو چکا ہے) اپنے قرض کے عوض قید ہے (اور جنت میں نہیں جا سکتا۔ اس حدیث کے راوی بیان کرتے ہیں کہ) پھر میں نے اس شخص کو دیکھا کہ وہ (اپنے) اس (فوت شدہ ساتھی) کا قرض ادا کرتا رہا، یہاں تک کہ کوئی ایسا شخص باقی نہ رہا جو اس (۱) سے کچھ مانگے۔ (ابوداؤد)

حضرت سلمہؓ بن اکوعؓ بیان کرتے ہیں کہ ——— ہم رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلّم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ اتنے میں ایک جنازہ لایا گیا۔ لوگوں نے (حضورؐ سے) عرض کیا کہ اس پر نمازِ جنازہ پڑھ دیجئے۔ حضورؐ نے پوچھا کہ کیا اس پر کوئی قرض ہے؟ لوگوں نے عرض کیا کہ نہیں۔ پھر حضورؐ نے دریافت فرمایا کہ کیا اس نے کوئی ترکہ چھوڑا ہے۔ لوگوں نے عرض کیا کہ جی نہیں۔ پس حضورؐ نے اس پر نماز پڑھ دی۔ پھر ایک اور جنازہ لایا گیا اور لوگوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ، اس پر نماز پڑھ دیجئے۔ حضورؐ نے پوچھا کہ کیا اس پر کوئی قرض ہے۔ عرض کیا گیا کہ جی ہاں۔ حضورؐ نے پوچھا کہ کیا اس نے کوئی ترکہ چھوڑا ہے؟ (جس سے قرض ادا کیا جا سکے) لوگوں نے عرض کیا کہ تین دینار چھوڑے ہیں۔ پس حضورؐ نے اس پر (بھی) نماز پڑھ دی۔ پھر تیسرا (جنازہ) لایا گیا اور لوگوں نے (حضورؐ سے) درخواست کی کہ اس پر نماز پڑھ دیجئے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ کیا اس نے کوئی ترکہ چھوڑا ہے؟ لوگوں نے عرض کیا کہ نہیں۔ حضورؐ نے پوچھا کہ کیا اس پر قرض ہے؟ انہوں نے

Marfat.com

عرض کیا کہ تین دینار (قرض) ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا کہ تم اپنے ساتھی پر نماز پڑھ لو (یعنی حضورؐ نے اس شخص کی میّت پر نماز پڑھنا پسند نہ فرمایا جو مقروض مر گیا اور قرض کی ادائیگی کے لیے کوئی ترکہ بھی نہ چھوڑا) حضرت ابو قتادہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ، اس پر نماز جنازہ پڑھ دیجئے، اس کا قرض میں اپنے ذمے لیتا ہوں۔ اس پر حضورؐ نے اس پر نماز پڑھ دی۔ (بخاری)

جو شخص قرض ادا کر سکتا ہو مگر ادائیگی میں دیر لگائے تو وہ ظالم ہے کیونکہ وہ بے وجہ دوسرے کا حق مار رہا ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ مالدار (قرض دار) کا قرض ادا کرنے میں دیر لگانا ظلم ہے۔

(بخاری)

حضورؐ نے یہ بھی فرمایا کہ جو شخص قرض ادا کرنے کے معاملے میں نیک نیّت ہو اللہ اسے ایسے ذرائع عطا فرما دیتا ہے جس سے اس کا قرض ادا ہو جاتا ہے اور جو بدنیّت ہو اور ادا ہی نہ کرنا چاہے خدا تعالیٰ اسے تباہ کر دیتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ جس شخص نے لوگوں کا مال ادا کرنے کے ارادے سے (قرض وغیرہ) لیا اللہ تعالیٰ اس کی طرف سے ادا کرا دیتا ہے اور جس نے اسے ضائع کرنے کے خیال سے لیا اللہ تعالیٰ اس (شخص) کو تباہ کر دیتا ہے۔ (بخاری)

خیانت خدا تعالیٰ اور خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم کے نزدیک

Marfat.com

انتی ناپسندیدہ شے ہے کہ اگر کوئی دوسرا انسان خیانت کرے تو جواباً بھی اس کے ساتھ خیانت کرنے کی اجازت نہیں۔ کیونکہ اس طرح معاشرے میں خیانت پھیل جاتی ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ جس نے تیرے پاس امانت رکھی ہو اس کی امانت ادا کر اور جس نے تیری خیانت کی ہو تو اُس کی خیانت نہ کر۔ (ترمذی)

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ منافق کی تین نشانیاں ہیں۔ جب بات کرے تو جھوٹ بولے جب وعدہ کرے تو وعدہ خلافی کرے اور جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے۔ (بخاری)

خیانت کے بارے میں یہ بھی واضح فرما دیا گیا ہے کہ اگر کسی چھوٹی سی چیز کی بھی کی جائے گی تو بھی گناہ ہے۔

حضرت ابوامامہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ جس نے اپنی (جھوٹی) قسم کے ذریعے کسی مسلمان شخص کا حق دبالیا اللہ نے اس کے لیے دوزخ واجب کر دی اور اس پر جنت حرام کر دی۔ اس پر ایک شخص نے آپؐ کی خدمت میں عرض کیا کہ اگرچہ وہ ذرا سی چیز ہو یا رسولؐ اللہ۔ حضورؐ نے فرمایا کہ چاہے وہ پیلو کے درخت کی ایک شاخ ہو۔ (مسلم)

سالمؓ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ جس شخص نے ذرا سی زمین بھی ناحق لی اُسے قیامت کے دن سات زمینوں تک دھنسایا جائے گا۔ (بخاری)

Marfat.com

ابوسلمہؓ بن عبدالرحمٰن بیان کرتے ہیں کہ اُن کے اور کچھ اور لوگوں کے درمیان ایک زمین کے بارے میں جھگڑا تھا۔ وہ حضرت عائشہؓ کے پاس آئے اور اُن سے اس بات کا ذکر کیا تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ اے ابوسلمہ زمین سے بچو، کیونکہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ جس نے بالشت بھر زمین پر بھی ناحق قبضہ کیا اس کی گردن میں سات زمینوں کا طوق ڈالا جائے گا۔ (بخاری)

حضرت عبداللہؓ بن عمروؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے سامان پر ایک شخص معیّن تھا جسے کِرکرہ کہا جاتا تھا۔ وہ مرگیا تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ دوزخ میں ہے۔ لوگ گئے تاکہ اسے دیکھیں، تو انہوں نے (اس کے پاس) ایک عباء پائی جو اس نے خیانت سے حاصل کر رکھی تھی۔ (بخاری)

بعض لوگوں کا طریقہ ہے کہ حرام ذرائع سے مال حاصل کرتے ہیں اور پھر اس میں سے خیرات کر کے سمجھتے ہیں کہ ان کا گناہ معاف ہوگیا۔ یہ اپنے نفس کو دھوکہ دینے والی بات ہے۔ حرام مال کی خیرات جب قبول ہی نہیں ہوتی تو اس کے گناہوں کا کفارہ بننے کا کیا سوال ہے۔

اَبُوالْمَلِیح اپنے باپ کے واسطے سے بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ خیانت کے مال سے خیرات قبول نہیں فرماتا اور نہ وہ نماز (قبول فرماتا ہے) جو طہارت کے بغیر ہو۔ (ابوداؤد)

کبھی ایسے بھی ہوتا ہے کہ کوئی شخص عدالت میں اپنا مقدّمہ لے کر جاتا ہے اور چرب زبانی سے کام لے کر اپنے حق میں فیصلہ کروا لیتا ہے۔ حالانکہ اس کا دعویٰ ہوتا جھوٹا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا ہے کہ اگر اس طرح

Marfat.com

کسی شخص کو دوسرے کا حق مل بھی جائے تو بھی وہ خدا کے نزدیک گنہگار ہی ہے اور آخرت میں اس گناہ کا عذاب اسے بھگتنا ہوگا۔

حضرت اُمِّ سلمہ رضؓ بیان کرتی ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ میں ایک بشر ہی ہوں۔ تم لوگ میرے پاس مقدّمے لے کر آتے ہو۔ شاید تم میں سے کوئی شخص دلیل دینے میں دوسرے سے زیادہ فصیح البیان ہو اور میں جو کچھ اس سے سنوں اُس کی بنا پر (اُس کو سچا سمجھ لوں اور) اُس کے حق میں فیصلہ دے دُوں۔ پس جس شخص کو میں اپنے فیصلے سے کوئی چیز دے دُوں جس پر (دراصل) اُس کے بھائی کا حق ہو تو وہ اُسے نہ لے۔ کیونکہ میں نے تو اس کے لیے آگ کا ایک ٹکڑا کاٹا ہے۔ (بخاری)

Marfat.com

دیانتداری کی راہ کی آزمائشیں

امانت و دیانت کی تاکید اور خیانت کی شدید ممانعت کے پیش نظر یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ انسان کو اچھی طرح پتہ چل جائے کہ وہ کونسے محرّکات ہیں جو انسان کو امانت و دیانت جیسے مفید اور معزّز وصف سے ہٹا کر خیانت جیسے ذلیل عمل کی طرف لے جا رہے ہیں۔ قرآن و حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ دیانت داری کی معزّز راہ سے ہٹانے والی چیزیں،

(۱) دنیا کی مبالغہ آمیز محبّت،

(۲) جاہ و جلال حاصل کرنے کی حرص،

(۳) اور مال و دولت کا لالچ ہے۔

حضرت کعبؓ بن مالک انصاری بیان کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ دو بھوکے بھیڑیے جو بکریوں میں چھوڑ دیے جائیں وہ بکریوں کو اس سے زیادہ تباہ و برباد نہیں کریں گے جتنا انسان کا مال و جاہ کا لالچ اس کے دین کو تباہ و برباد کرتا ہے۔ (ترمذی)

دین کا اصل الاصول اپنی بندگی کا احساس اور معبود کی رضا حاصل کرنے کی سعی ہے۔ اس کے برعکس حرصِ جاہ و مال کا اصل الاصول اپنی ذات کو اونچا کر کے دکھانے کی خواہش اور نفس کی مبالغہ آمیز خواہشات کی تسکین کا سامان حاصل کرنے کی سعی ہے۔

Marfat.com

دینداری کا تقاضا سر جھکانا اور عاجزی و خاکساری اختیار کرنا ہے۔ اس کے برعکس حرصِ وجاہ و مال کا تقاضا سر اونچا کر کے چلنا اور اپنی شان و شوکت اور رعب و داب دکھانا ہے۔

ایک دیندار کا قدرتی میلان فوری اور عارضی دنیوی آسائشوں کو اُن کی حدود میں رکھنے اور بعد الموت ملنے والی دائمی اور پائیدار آسائشوں کے لیے تگ و دو کرنے کی طرف ہوتا ہے۔ اس کے برعکس جاہ و مال کی حرص رکھنے والے کا قدرتی میلان فوری طور پر ملنے والے دنیوی جاہ و جلال اور ثروت و مال کے حصول کی طرف ہوتا ہے چاہے اس سے ہمیشہ رہنے والی اُخروی عزّت و آسائش اور امن و سکون پر کتنا ہی بُرا اثر کیوں نہ پڑتا ہو۔

لہٰذا یہ قدرتی بات ہے کہ ایک ہی دل میں دین کی محبت اور مال و جاہ کی حرص دونوں اکٹھی نہ ہوسکیں۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلّم نے جاہ و مال کی حرص کے انسان کے دین کو برباد کر دینے کی جو مثال یہاں بیان فرمائی ہے اس سے بہتر مثال تصوّر میں نہیں آتی۔ بھیڑیا ویسے ہی بکریوں کے لیے بہت خطرناک ہوتا ہے کجا یہ کہ وہ بھوکا بھی ہو اور پھر ایک بھی نہ ہو بلکہ دو ہوں۔ جس طرح یہ بھوکے بھیڑیے معصوم بکریوں کو چیرتے پھاڑتے، انہیں گھائل کر کر کے پھینکتے، اُن کا گوشت کھاتے، اُن کی ہڈیاں چباتے اور انہیں فناہ کے گھاٹ اتارتے ہیں، اسی طرح جس دل میں جاہ مال کی حرص گھر کرے گی وہ اس میں سے دین کی محبت اور دینی اوصاف کی قدر و قیمت کو فناہ کے گھاٹ اتار دے گی۔ حقیقت یہ ہے کہ دین کی کشش اور محبت جس قسم کی ذہنیت بناتی ہے جاہ و مال کی حرص اس سے الٹ قسم کی ذہنیت بناتی ہے۔ لہٰذا جب جاہ و مال کی حرص دل پر قبضہ کرلے تو وہ اس ذہنیت

Marfat.com

کے پیدا ہونے کے لیے گنجائش نہیں چھوڑتی جو دین کی محبت پیدا کرتی ہے۔ اسی بات کو حضورؐ نے اپنے مخصوص بلیغ اور پیارے تمثیلی انداز میں اس طرح بیان فرمایا ہے جس سے بہتر طریقے سے اسے بیان کرنا محال ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمروؓ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا اور فرمایا کہ بچو تم لالچ سے، کیونکہ تم سے پہلے والے لالچ ہی کے باعث ہلاک ہوئے۔ لالچ نے انہیں بخل کرنے کا حکم دیا تو وہ بخیل ہو گئے۔ اور لالچ نے انہیں قطع رحمی کا حکم دیا تو انہوں نے قطع رحمی کی۔ اور لالچ نے انہیں فسق و فجور کا حکم دیا تو وہ فاسق و فاجر ہو گئے۔ (ابو داؤد)

یعنی لالچ ان تمام برائیوں کا ارتکاب کرواتا ہے۔ لالچ ہی کے باعث لوگ کنجوس اور بخیل ہو جاتے ہیں اور اپنی اور دوسروں کی زندگی خراب کرتے ہیں۔ لالچ کے باعث لوگ رشتے داروں کے ساتھ حسنِ سلوک کرنے کے بجائے الٹا ان کے حقوق غصب کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ بے شمار دفعہ ایسا ہوا ہے کہ حریص لوگوں نے جائدادوں کے لالچ میں آ کر قریبی عزیزوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ ایسے ہی لالچ میں آ کر لوگ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کر کے فاسق و فاجر ہو جاتے ہیں۔ لالچ علم والوں سے ان کے علم کی برکت چھین لیتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے حضرت کعبؓ سے پوچھا کہ اہلِ علم کون لوگ ہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ جو اپنے علم پر عمل کرتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ علم کو علماء کے سینوں سے نکالا کس نے؟ تو حضرت کعبؓ نے جواب دیا کہ لالچ نے۔

حضرت ابو بکرؓ کا فرمان ہے کہ جس شخص نے اپنے آپ کو لالچ، غصّے اور نفس کی پیروی سے بچا لیا اس نے چھٹکارا حاصل کر لیا۔

Marfat.com

حقیقت یہ ہے کہ لالچ بے شمار خرابیوں کی جڑ بنیاد ہوتا ہے۔ انسان ایک لالچ سے بچ جائے تو وہ بے شمار گناہوں اور بے شمار اقسام کی فرض ناشناسی سے بچ جاتا ہے۔

دُنیا کی محبّت

حضرت ثوبانؓ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قریب ہے کہ (غیر مسلم) اقوام تم پر اس طرح لوٹ پڑیں جیسے کھانا کھانے والے اپنے کھانے کے بڑے پیالے پر لوٹ پڑتے ہیں۔ اس پر ایک کہنے والے نے کہا کہ کیا ایسے اس لیے ہوگا کہ اس زمانے میں ہم تھوڑے ہوں گے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ نہیں بلکہ تم لوگ اُس زمانے میں بہت ہو گئے مگر تم لوگ اُس کوڑے کرکٹ کی طرح ہوگے جسے سیلاب بہا کر لاتا ہے، اور خدا تمہارے دشمنوں کے دلوں سے تمہارا رُعب نکال دے گا، اور تمہارے دلوں میں کمزوری پیدا کر دے گا۔ کہنے والے نے عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ، وہ کمزوری کیا ہوگی۔ آپؐ نے فرمایا کہ دنیا کی محبّت اور موت سے نفرت۔ (ابو داؤد)

یعنی تمہارے دلوں میں دنیا کی محبت اور موت سے نفرت پیدا ہو جائے گی اور اس کے باعث تمہارے دلوں میں کمزوری پیدا ہو جائے گی اور تمہارے دلوں میں کمزوری پیدا ہو جانے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ لوگ تمہیں کمزور سمجھ کر اس طرح تم پر لوٹ پڑیں گے جیسے کھانا کھانے والے دسترخوان پر لوٹ پڑتے ہیں۔ واضح رہے کہ جس قوم کے دل میں دنیا کی محبت پیدا ہو جائے گی اور وہ جان دینے سے جی چرانے لگے گی، اس قوم کے دل سے جذبۂ جہاد ختم ہو جائے گا اور وہ ہر قیمت پر زندگی سے چمٹے رہنے ہی کو ترجیح دینے لگے گی۔ اس کے نزدیک بے عزّتی

Marfat.com

کی زندگی عزت کی موت سے بہتر ہو جائے گی۔ جب یہ صورت ہو گی تو اس کی بہادری اور دلیری، اس کا جذبۂ قربانی، اس کی دین وملّت کی محبّت اور ایسے ہی دوسرے اوصاف جو کسی قوم کی سربلندی کا باعث بنتے ہیں ختم ہوتے چلے جائیں گے اور ان کی جگہ بُزدلی اور کم ہمّتی لے لے گی، جس کے باعث وہ قوم اتنی کمزور ہو جائے گی کہ دوسری قومیں اُسے فتح کر لینے کی طمع میں آ کر اُس پر ٹوٹ پڑیں گی۔

واضح رہے کہ یہ جو دنیا کی محبت کو مسلمانوں کے لیے انتہائی نقصان دہ بتایا گیا ہے تو اس سے یہ مراد نہیں کہ اُن کے لیے ترکِ دُنیا اور رہبانیّت کو پسند کیا جا رہا ہے۔ حضورؐ کے بیانات نے اس بات کو بالکل واضح فرما دیا ہے کہ آپؐ نے اپنی امّت کے لیے نہ رہبانیت کو پسند فرمایا ہے نہ موت کی تمنّا کرنے کو، بلکہ دنیا کی محبت کی مذمّت کرنے سے یہاں مراد یہ ہے کہ انسان دنیا کی بے ثباتی اور آخرت کے دوام کو بھُول کر دنیا کے جاہ وجلال اور دولت وثروت اور اپنی بے جا خواہشات کی تکمیل کے ساز وسامان ہی کو زندگی کا مقصد نہ بنا لے اور یہ بھُول ہی نہ جائے کہ اس دنیوی زندگی کا مقصد آخرت کی دائمی زندگی کی تیاری کرنا ہے۔ مختصر یہ کہ وہ دنیا ہی کا بندہ بن کر نہ رہ جائے۔ کیوں کہ جب مسلمان دنیا سے ایسی احمقانہ محبت کرنے لگتے ہیں کہ آخرت فراموش کر بیٹھتے ہیں تو پھر نتیجہ یہی ہوتا ہے کہ وہ امانت ودیانت کو چھوڑ کر حرص وخیانت کا شکار ہو جاتے ہیں اور پھر اُن پر کمزوری اور لاچاری کا وہ غلبہ ہو جاتا ہے کہ دشمنوں کے دلوں سے اُن کا رُعب نکل جاتا ہے اور ان کے اپنے دلوں میں دشمنوں کا رُعب سما جاتا ہے۔

Marfat.com

خواجہ حسن بصریؒ کا فرمان ہے "دنیا درحقیقت تمہاری سواری ہے اگر تم اس پر سوار ہو گئے تو یہ تمہیں (اپنی پیٹھ پر) اٹھائے گی اور اگر یہ تم پر سوار ہو گئی تو تمہیں ہلاک کر ڈالے گی۔"

انسان کے دنیا پر سوار ہونے سے بظاہر مراد یہی ہے کہ دنیوی خواہشات کو قابو میں رکھا جائے اور دنیا کے انسان پر سوار ہو جانے کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنی دنیوی خواہشات کے آگے ایسا عاجز ہو جائے کہ اُن کے اشاروں پر ہر برُا بھلا کام کرتا چلا جائے۔ ظاہر ہے کہ ایسا شخص آخر ہلاک ہی ہوگا یعنی شدید نقصان اٹھائے گا اور یہ ہلاکت صرف اُخروی ہی نہیں ہوتی بلکہ دنیوی بھی ہو سکتی ہے۔ کیونکہ بسا اوقات خواہشات کے بندے دنیا ہی میں اپنے اعمال کی سزائیں بھگتنا شروع کر دیتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ دنیا ہی کو مقصود بنا لینا بے دینی ہی کی نہیں بے عقلی کی بات بھی ہے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ ایک دفعہ وقت کے حکمران نے مشہور زاہد حضرت حاتم اصمؒ کو ملنے کی خواہش کی۔ آپ اس کے پاس گئے اور کہا کہ "السلام علیک یا زاہد!" حکمران نے کہا کہ میں زاہد کہاں، زاہد تو آپ ہیں۔ حضرت حاتم اصمؒ نے فرمایا کہ خدا کا فرمان ہے کہ مَتَاعُ الدُّنْیَا قَلِیْلٌ یعنی دنیا کا ساز و سامان قلیل ہے اور زاہد وہی ہوتا ہے جو قلیل پر قناعت کر لے۔ چونکہ تم دنیا کو سنبھال کر مطمئن بیٹھے ہو اور آخرت سے بے فکر ہو اس لیے زاہد تمہی ہو، میں نہیں۔

حضرت عقبہؓ بن عامر بیان کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز نکلے اور شہدائے اُحد پہ نماز ادا کی جیسے کہ آپؐ جنازے کی نماز پڑھتے تھے۔ پھر منبر کی طرف لوٹے اور فرمایا کہ میں تمہارا پیش رو

Marfat.com

ہوں گا اور میں تم پر گواہ ہوں گا اور خدا کی قسم کہ اس وقت میں اپنے حوض (کوثر) کو دیکھ رہا ہوں اور مجھے زمین کے خزانوں کی چابیاں دی گئی ہیں یا (آپؐ نے یہ فرمایا کہ مجھے) زمین کی چابیاں (دی گئی ہیں) اور خدا کی قسم، مجھے تمہارے بارے میں اس بات کا خوف نہیں کہ تم میرے بعد شرک کرنے لگو گے بلکہ مجھے تمہارے بارے میں اس بات کا خوف ہے کہ تم دنیا کی محبت میں غرق ہو جاؤ گے۔ (بخاری)

ایسے ہی مسلم میں حضرت عمروؓ بن عوف سے ایک روایت بیان ہوئی ہے جس کے آخر میں حضورؐ فرماتے ہیں کہ:

"...... خدا کی قسم، مجھے تمہارے معاملے میں مفلسی کا خوف نہیں بلکہ میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ دنیا تم پر اس طرح کشادہ ہو جائے جس طرح ان پر ہوئی تھی جو تم سے پہلے گزرے۔ پھر تم اسے بے طرح چاہنے لگو جس طرح انہوں نے اسے چاہا تھا اور (نتیجہ یہ ہو کہ) وہ تمہیں ہلاک کر دے جس طرح اُس نے اُن (پہلوں) کو ہلاک کیا تھا۔"

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلّم کے ایک صحابی حضرت ابوخلادؓ فرماتے ہیں کہ جب تم کسی ایسے شخص کو دیکھو جسے دنیا سے رغبت نہ ہو اور وہ کم گو بھی ہو تو اس کی قربت اختیار کرو، کیوں کہ اس کے دل میں دانائی ڈالی جاتی ہے۔

(ابن ماجہ)

انسان کے عقائد، اخلاق اور کردار کو سدھارنے کے لیے اچھی صحبت جادو کا سا اثر رکھتی ہے جس قسم کے انسان کے پاس بیٹھا جائے گا، نامحسوس طور پر اس کا اثر قبول کیا جاتا رہے گا۔ حضرت ابوخلادؓ کے اس فرمان کے مطابق اس انسان کی صحبت اختیار کرنا از حد مفید ہوگا جو

Marfat.com

بہت باتیں کرنے سے پرہیز کرتا ہو اور اس کا دل دنیا کے جاہ و مال کی حرص سے خالی ہو۔ ایسا شخص دانا ہے اور اس دانا کی صحبت میں رہ کر انسان دانائی سیکھے گا۔

حرصِ جاہ

انسان طبعاً جاہ و جلال کو پسند کرتا ہے۔ اس کا جی چاہتا ہے کہ اُسے عزّت و احترام سے دیکھا جائے۔ اس کا رُعب مانا جائے اور اُسے بلند رتبہ سمجھا جائے۔ اب اگر اُس کی نگاہ دُور تک جانے والی ہو گی تو وہ اس پائدار جاہ و جلال کو پسند کرے گا جو انسان کو اس کے اعمالِ نیک کے عوض خدا کے ہاں ملنے والا ہے اور اگر وہ کوتاہ بین ہو گا تو اسی دنیا کے جاہ و جلال پر مرمٹے گا۔ اب اگر تو اس نے آخرت کے جاہ و جلال ہی کو مطلوب بنایا تو عجب نہیں کہ اُس کے ساتھ اُسے دنیا کی عزّت بھی مل جائے۔ لیکن اگر اُس نے دنیا ہی کے جاہ و جلال کو اپنی آرزوؤں کا منتہا سمجھ لیا تو پھر ایک تو اُسے آخرت کی عزّت نہیں ملے گی اور دوسرے دنیا کے جاہ و جلال کا کچھ پتہ بھی نہیں ہوتا کہ آج صبح حاصل ہے تو شام تک رہے گا یا نہیں رہے گا۔ بڑے بڑے زبردست حکمران جنہوں نے طاقت کے نشے میں بدمست ہو کر عوام پر ہولناک مظالم ڈھائے تھے اور جو یہی سمجھتے رہے کہ اُن کے آگے کوئی چُوں بھی نہیں کر سکتا، آخر عوام کے غیظ و غضب کا شکار ہو کر کال کوٹھڑیوں میں جا بند ہوئے اور وہیں موت کا شکار ہو گئے۔ بڑے بڑے محبوب لیڈر جنہیں سال کے شروع میں لوگ کندھوں پر اٹھائے پھرتے تھے، سال ختم ہونے سے پہلے پہلے اس طرح لوگوں کی نفرت اور اشتعال کا نشانہ بن گئے کہ اُنہیں کندھوں پر اٹھانے والوں نے انہیں پھانسی کے تختے پر جا کھڑا کیا۔ بڑے بڑے بااختیار افسر جن کے آگے پیچھے ماتحتوں

کی فوج اُن کے اشارۂ ابرو پر ناچنے کے لیے تیار کھڑی رہتی تھی، اپنی افسری کی مدّت ختم ہوتے کے بعد اس طرح گوشۂ گمنامی میں جا گرے کہ عید، بقر عید کو بھی کوئی سلام کرنے نہ آتا تھا اور اس بے بسی کے دور میں دلچسپ ترین مصروفیت بس یہی رہ گئی کہ صبح و شام بیٹھے اپنے زمانۂ اختیارات کی داستانیں بیان کرتے رہیں۔

پھر یہ دنیوی جاہ و جلال جب حرص کے ساتھ حاصل کیا جاتا ہے تو ملک و ملّت کے لیے انتہائی مضر بھی ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ حکمرانی اور عہدے حاصل کرنے کے لالچ میں بعض لوگ ایسے عہدوں کے حصول کے لیے تگ و دو شروع کر دیتے ہیں جن کی ذمہ داریاں ادا کرنے کی ان میں قطعی صلاحیت نہیں ہوتی۔ پھر جب طرح طرح کی ریشہ دوانیوں اور جانکاہیوں کے بعد وہ یہ عہدے حاصل کر لیتے ہیں تو اپنی نااہلی کے باعث ملک و ملّت کی جڑیں کھوکھلی کر دیتے ہیں۔ مثلاً حکمرانی اور عہدوں کے حریصوں کی بہت بڑی تعداد سیاست کے میدان میں آ کودتی ہے۔ حالانکہ ان میں نام کو بھی سیاسی سوجھ بوجھ نہیں ہوتی۔ نہ وہ جانتے ہیں کہ سیاست کا اصل مطلب کیا ہے۔ انہیں تو صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہی وہ طریقہ ہے جس کے ذریعے ایک سفید ان پڑھ بھی وزیر بن بیٹھتا ہے۔ پھر جب کچھ پیسہ خرچ کر کے، کچھ ذاتوں برادریوں کے تعصّبات کو بڑھکا کر اور کچھ انتخابات میں دھاندلیاں کر کے ان میں سے بعض لوگ جیت جاتے ہیں تو پھر جن عہدوں کے وہ مالک بنتے ہیں ان کی ذمہ داریاں پوری کرنے کی طرف شاید ہی کبھی انہیں توجہ ہوتی ہو، ساری فکر بس اسی بات کی ہوتی ہے کہ جو عہدے ہزار پاپڑ بیلنے کے بعد ملے ہیں، انہیں زیادہ سے زیادہ جاہ و جلال کے اظہار

Marfat.com

کا ذریعہ بنا لیں اور ان سے ہر ممکن ذاتی فائدے حاصل کر لیں۔ اب جو عہدے اس لیے قائم کیے گئے ہوں کہ ملک کا نظام چلایا جائے، اہم پالیسیاں بنائی اور نافذ کی جائیں، اور ملک کو دشمنوں کی ریشہ دوانیوں اور حملوں سے محفوظ کیا جائے، ان پر جب ایسے نااہل اور خود غرض قابض ہو جاتے ہیں تو پھر ملک کو کتنا نقصان پہنچتا ہے اور وہ دشمنوں کی ریشہ دوانیوں کے مقابلے میں کتنا کمزور ہو جاتا ہے اسے ہر وہ انسان سمجھ سکتا ہے جو آنکھیں کھول کر زندگی گزارتا ہو۔

وزارتوں، امارتوں اور صدارتوں کے یہ نااہل طلب گار اپنے مقاصد حاصل کرنے کے لیے طرح طرح کے نعرے ایجاد کرکے اور صوبائی، قبائلی اور لسانی تعصّبات کو بڑھا کر، لوگوں کو ٹکڑوں میں بانٹ کر ان کے درمیان بے اتفاقی کا بیج بوتے اور ملک کی مجموعی طاقت کو کمزور کرتے ہیں اور پھر ان میں سے جو عہدے حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں وہ اپنی خود غرضی اور نااہلی کے باعث ملک کی جڑیں کھوکھلی کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔ عہدہ و جاہ کی حرص کے انہیں نقصانات کے باعث اسلام میں اسے ایک شدید طور پر ناپسندیدہ شے قرار دیا گیا ہے۔ حضورؐ کا فرمان ہے کہ جو کسی عہدے کا طلب گار ہو اسے وہ عہدہ نہ دیا جائے۔ ظاہر ہے کہ اس کی عہدہ حاصل کرنے کی بے قراری یہی ظاہر کر رہی ہے کہ یا تو وہ اس عہدے کی ذمہ داریوں کی سختی سے آگاہ نہیں یا پھر وہ اُن ذمہ داریوں کو ادا کرنے کا ارادہ نہیں رکھتا اور عہدے کو ذاتی جاہ و منصب اور رعب و داب حاصل کرنے کا ذریعہ بنانا چاہتا ہے۔

حضرت ابو موسیٰؓ بیان کرتے ہیں کہ میں دو آدمیوں کو ساتھ لے کر

Marfat.com

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا۔ ان میں سے ایک نے (پہلے) تشہد پڑھی اور پھر کہا کہ ہم اس لیے آئے ہیں کہ آپؐ اپنے حکومت کے کسی کام میں ہم سے مدد لیں (یعنی ہمیں کوئی سرکاری عہدہ دیں) اور دوسرے نے بھی اپنے ساتھی جیسی بات کی۔ اس پر حضورؐ نے فرمایا کہ ہمارے نزدیک تم میں سے سب سے زیادہ خائن وہ ہے جو عہدہ مانگے۔ (جب) حضرت موسیٰؓ (نے سنا کہ ان کے دونوں ساتھیوں نے کیا کہا تو انہوں) نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں معذرت پیش کی اور عرض کیا کہ میں نہیں جانتا تھا کہ یہ دونوں کس مقصد کے لیے آئے تھے۔ غرضکہ حضورؐ نے ان دونوں سے حکومت کے کسی کام میں مدد نہ لی (یعنی انہیں کوئی عہدہ نہ دیا) یہاں تک کہ آپؐ نے وفات فرمائی۔ (ابوداؤد)

یہ جو حضورؐ نے فرمایا کہ "ہمارے نزدیک تم میں سے سب سے زیادہ خائن وہ ہے جو عہدہ مانگے" تو اس سے مراد یہی ہے کہ عہدہ تو ذمہ داریوں کا نام ہے۔ ذمہ داریاں پڑ جائیں تو اٹھانی پڑتی ہیں لیکن ایک عام انسان ذمہ داریاں مانگتا تو نہیں۔ اب جو شخص خواہش سے عہدہ مانگ رہا ہے، خدشہ ہے کہ وہ اس سے کوئی ذاتی فائدہ حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اور سرکاری عہدوں سے ناجائز ذاتی فوائد حاصل کرنے واضح طور پر خیانت ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عنقریب تم حکومت کی حرص کرو گے اور بے شک اس کا انجام ندامت اور حسرت ہو گا۔ کیونکہ حکومت ملتے وقت بہت اچھی لگتی ہے مگر جب چھنتی ہے تو تکلیف ہوتی ہے۔ (نسائی)

Marfat.com

حکومت کی حرص کا انجام ندامت اور حسرت ہونا دنیوی طور پر بھی ہوسکتا ہے کیونکہ جب وہ چھنتی ہے تو حسرت پیدا ہوتی ہے کہ ہائے چھن گئی اور اپنے دورِ حکومت میں جو غلط کام کیے ہوتے ہیں بسا اوقات ان کی سزا دنیا ہی میں مل جاتی ہے، اور پھر ندامت ہوتی ہے کہ کاہے کے لیے ایسے کام کئے جو بے عزتی کا باعث بنے اور جن لوگوں نے حکومت حرص سے حاصل کی ہوتی ہے انہوں نے غلط کام تو کرنے ہی ہوتے ہیں، اس لیے یہ حسرت اور ندامت اُخروی بھی ہوسکتی ہے۔

حضرت عبدالرحمٰن رضؓ ابن سمُرۃ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے عبدالرحمٰن رضؓ حکومت نہ مانگنا۔ کیونکہ اگر یہ تجھے مانگنے سے ملی تو تم اسی کے حوالے کر دیے جاؤ گے اور اگر یہ تجھے بغیر مانگے مل گئی تو اس کے معاملے میں (خدا کی طرف سے) تمہاری مدد کی جائے گی اور جب تم کسی کام کو کرنے کی قسم کھا لو اور پھر دیکھو کہ اس کے خلاف کرنا بہتر ہے تو جو بہتر ہو وہ کر لو اور اپنی قسم کا کفارہ دے دو۔ (ترمذی)

یہاں اس معاملے کا ایک اور پہلو پیش کیا گیا ہے۔ وہ یہ کہ حکومت کی حرص کرنا ممنوع ہے لیکن اگر اس کی حرص نہ کی جائے اور وہ بطور خود مل جائے تو اسے لینے میں حرج نہیں۔ واضح رہے کہ حکومت قائم اس لیے کی جاتی ہے کہ ملک کا بندوبست کرنا ہوتا ہے۔ لفظ سیاست عربی زبان کا لفظ ہے، اس کا مطلب ہے بندوبست کرنا۔ ایک ملک کے باشندوں کی بے شمار ضروریات ہوتی ہیں۔ انہوں نے روزی بھی کمانی ہے، علم بھی حاصل کرنا ہے، بیماریوں کی صورت میں علاج

Marfat.com

بھی کرانا ہے، ان کے ملک پر کوئی دشمن حملہ آور بھی ہو سکتا ہے لہٰذا انہیں ملک کا دفاع بھی کرنا ہے۔ ملک کے اندر فتنہ پرور لوگ مثلاً چور، ڈاکو، لٹیرے یا دوسرے قسم کے فساد پیدا کرنے والے ان کی زندگی اجیرن کر سکتے ہیں۔ ان کے مقابلے میں اپنے آپ کو محفوظ بھی کرنا ہے۔ سب سے بڑی بات یہ کہ اپنے دین کے احکام سے واقفیت حاصل کرنی ہے۔ چنانچہ ایسی حکومت کی ضرورت ہے جو ان سب کاموں کے بندوبست کرے۔ اب ان مختلف اقسام کے کام کرنے کے لیے مختلف محکمے قائم کیے جائیں گے اور آخر ان محکموں کو ملک کے باشندے ہی چلائیں گے۔ اگر کوئی شخص بھی کوئی عہدہ قبول نہ کرے گا تو پھر ملک چلے گا کیسے۔ لہٰذا عہدوں پر لوگوں کا مقرر ہونا تو ملک کی ایک ناگزیر ضرورت ہے۔ اس لیے محض عہدہ قبول کر لینا برائی نہیں بلکہ بُرائی یہ ہے کہ عہدے کی حرص کی جائے حضور ؐ نے ایک اصول کی بات بیان فرما دی ہے کہ جو عہدے کی حرص کرے اُسے عہدہ نہ دو کیونکہ خطرہ ہے کہ اپنی حرص کے باعث وہ عہدے سے ناجائز فائدہ اٹھائے گا بلکہ عہدہ اس کو دو جو عہدے کا حریص نہ ہو۔ اس سے توقع ہے کہ وہ عہدے کی عائدہ کردہ ذمہ داریوں کو اچھی طرح ادا کرے گا۔ یہ جو آپ ؐ نے فرمایا کہ" اگر تمہیں مانگنے سے حکومت ملی تو تم اسی کے حوالے کر دیے جاؤ گے اور اگر بغیر مانگے مل گئی تو اس کے معاملے میں تمہاری مدد کی جائے گی"۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو حکومت کا حریص نہ ہو گا بلکہ اسے حکومت دی جائے گی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُسے وہ سوجھ بُوجھ عطا فرمائی جائے گی جس سے وہ اپنے عہدے کی عائد کردہ ذمہ داریوں کو عمدہ طریقے سے پوری کرے گا اور خدا اس کے کام میں برکت اور کامیابی عطا فرمائے گا۔ لیکن جس شخص کو

Marfat.com

طلب کرنے پر حکومت ملے گی اسے خدا کی یہ امداد اور برکت حاصل نہ ہوگی اور اسے اس کے نفس کے حوالے کر دیا جائے گا جس کے حریص ہونے کے باعث خدشہ ہوگا کہ وہ اسے راہ سے بے راہ کر دے اور اسے اپنی ذمہ داریوں کو ٹھیک طریقے سے ادا نہ کرنے دے۔

حضرت انسؓ بن مالک بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلّم کو فرماتے سنا کہ جو شخص قضاء کا عہدہ طلب کرے اور اس کے لیے امداد چاہے (یعنی لوگوں سے سفارشیں کروائے) تو وہ اسی کے سپرد کر دیا جائے گا (اور خدا اس کی مدد نہیں کرے گا) اور جس نے اسے طلب نہ کیا اور نہ اسے حاصل کرنے کے لیے کسی کی امداد چاہی (اور بغیر طلب کئے قاضی بن گیا) تو خدا ایک فرشتہ نازل کرے گا جو اسے سیدھی راہ پر قائم رکھے گا (اور اس سے درست فیصلے کروائے گا)۔ (ابو داؤد)

حرصِ مال

حضرت کعبؓ بن عیاض بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کو فرماتے سُنا کہ ہر امّت کے لیے ایک فتنہ ہوتا ہے اور میری امّت کا فتنہ مال و دولت ہے۔ (ترمذی)

فتنے سے یہاں مراد گمراہی اور گناہ ہے۔ مختلف اقوام کا یہ حال رہا ہے کہ ہر قوم کسی خاص گناہ کی طرف زیادہ مائل ہوتی تھی۔ یہ خاص گناہ جس کی طرف کوئی امّت خصوصی طور پر مائل ہوتی تھی، اس قوم کا فتنہ ہوتا تھا مثلاً کوئی قوم ناپ تول میں کمی کرنے کے گناہ کا زیادہ ارتکاب کرتی تھی، کسی میں جنسی بداخلاقی زیادہ پھیلی ہوئی ہوتی تھی، کوئی اپنے انبیاءؑ اور مصلحین کے ساتھ بُغض رکھنے اور ان پر ظلم ڈھانے کی طرف خاص میلان

Marfat.com

رکھتی تھی، ایسے ہی اُمّتِ مسلمہ کے بارے میں حضورؐ نے فرمایا کہ ان کا فتنہ مال و دولت ہے یعنی ان میں جو خاص بگاڑ ہوگا وہ مال و دولت کی محبت ہوگی۔ حضورؐ کے اس فرمان میں خبر اور تنبیہہ دونوں موجود ہیں۔ یعنی حضورؐ نے یہ بھی اطلاع دی ہے کہ تم دولت پرست ہو جاؤ گے اور ساتھ ہی یہ بھی فرما دیا کہ یہ دولت پرستی تمہارا خاص عیب ہوگا۔ ظاہر ہے کہ جب کسی فرد یا قوم سے یہ کہا جائے کہ فلاں وصف تمہارا عیب ہے تو مُراد یہی ہوتی ہے کہ اس سے بچنا یہ تمہیں دنیا اور آخرت دونوں میں رسوائی کا شکار کرے گا۔ اسلام نے انسان کو زندگی گزارنے کا جو طریقہ بتایا ہے اس پر خلوص سے عمل کیا جائے تو قدرتی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ دنیوی دولت کی اہمیت دل میں کم ہو اور اگر دولت ہو تو اسے راہِ خدا میں خرچ کر دینے کی طرف میلان ہو۔ اس طریقۂ زندگی کو اپنا طریقہ کہنے والے اگر دولت کی محبت میں گرفتار ہو جائیں تو پھر یہ محبّت اُن کا خاص عیب شمار ہوگا یا حضورؐ کے الفاظ میں ان کا فتنہ ہوگا۔ چنانچہ اسلام کی چودہ سو سالہ تاریخ پر نگاہ ڈال کر دیکھ لیجئے کہ دولت کی محبّت نے مسلمانوں کو ہمیشہ زک پہنچائی۔ اسی حبّ جاہ اور حبّ مال نے اُن میں ایسے ایسے غدّار پیدا کئے جنہوں نے ملک وملّت کو دشمنوں کے ہاتھوں بیچ دینے سے بھی دریغ نہ کیا۔ آج بھی یہ اذیّت دہ صورتِ حالات عام نظر آتی ہے کہ حبِّ مال میں گرفتار بڑے بڑے سرکاری افسر اور عہدیدار جو دوسرے ممالک کے ساتھ تجارتی معاہدے کرنے کے اختیارات رکھتے ہیں، غیر ملکی کمپنیوں کی ایسی اشیاء درآمد کر لیتے ہیں جن کی ملک کو کوئی حقیقی ضرورت نہیں ہوتی اور جنہیں خرید لینے سے ایک تو ملکی خزانے پر بھاری بوجھ پڑتا ہے اور دوسرے بہت

کے باشندوں میں تن آسانی اور شان وشوکت دکھانے کی حرص بڑھتی ہے۔ مگر یہ چیزیں پھر بھی اس لیے درآمد کر لی جاتی ہیں کہ متعلقہ افسروں کو وہ غیرملکی کمپنیاں کمیشن کی شکل میں ڈھیروں مال دیتی ہیں. لہٰذا وہ اپنا ذاتی مال بڑھانے کی خاطر ملکی خزانے کو ان چیزوں کی خریداری پر لٹاتے رہتے ہیں جن سے بدرجہا زیادہ ضروری چیزیں صرف اس لیے نہیں خریدی جاسکتیں کہ ملکی خزانے میں ان کی قیمت ادا کرنے کی سکت نہیں ہوتی۔

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ بندہ کہتا ہے کہ میرا مال میرا مال، حالانکہ اس کے مال میں سے اس کی (اپنی) صرف تین چیزیں ہیں (یعنی) وہ جو اس نے کھا لیا اور ختم کر دیا، یا وہ جو اس نے پہن لیا اور پرانا کر دیا، یا وہ جو اس نے (راہِ خدا) دے دیا اور (اپنے لیے) جمع کر لیا۔ اس کے سوا جو کچھ ہے (اس کا یہ حال ہونا ہے کہ) وہ شخص خود تو چلا جائے گا اور اپنا مال لوگوں کے لیے چھوڑ جائے گا۔ (مسلم)

یعنی انسان چاہے ڈھیروں مال جمع کرے اُس میں سے اس کا اپنا مال تو صرف وہ ہے جو اُس نے دنیا میں اپنی ضروریات پر صرف کر لیا یا اللہ کی راہ میں دے کر اپنی آخرت کے لیے ثواب جمع کر لیا۔ باقی جتنا مال وہ جمع کر رہا ہے وہ فی الحقیقت اس کا نہیں بلکہ دوسروں کا ہے کیونکہ جب وہ مرے گا تو یہ مال ترکہ بن کر اُس کے وارثوں کے پاس پہنچ جائے گا۔

حضرت عمروؓ بن العاص بیان کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ آدم علیہ السلام کے بیٹے کے دل میں ہر وادی میں ایک شاخ ہے پس جس نے اپنے دل کو ان تمام شاخوں میں لگائے رکھا، اللہ تعالیٰ پروا نہیں کرے گا کہ اسے کس وادی میں ہلاک کرے۔ اور جس نے خدا پر بھروسہ

کیا تو اللہ ان تمام شاخوں کے معاملے میں اس کے لیے کافی ہو جائے گا۔

(ابن ماجہ)

یہ جو حضورؐ نے فرمایا کہ آدمؑ کے بیٹے کے دل میں ہر وادی میں ایک شاخ ہے، تو اس سے مراد یہ ہے کہ آدمی کے دل میں بہت سی چیزوں کی خواہش ہوتی ہے۔ مثلاً آل اولاد کی خواہش، جاہ و منصب کی خواہش، مال و دولت کی خواہش، عمدہ غذاؤں کی خواہش، عمدہ لباسوں کی خواہش، باغات و جائداد کی خواہش وغیرہ۔ اب جو شخص زندگی گزارتے ہوئے اپنی ساری توجہ اسی طرف لگائے رکھے کہ میری یہ خواہش بھی پوری ہو جائے اور وہ خواہش بھی پوری ہو جائے، مجھے یہ بھی مل جائے اور مجھے وہ بھی مل جائے، تو ایسا شخص اپنی ان خواہشوں ہی میں مصروف رہے گا اور خدا کی طرف توجہ کرنے یا آخرت کی فکر کرنے کی اُسے فرصت ہی نہیں ہو گی۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ بھی اس کی طرف توجہ نہیں فرمائے گا اور پروا نہیں کرے گا کہ کون سی خواہش کا پیچھا کرتے ہوئے وہ ہلاکت کا شکار ہو جاتا ہے۔ یہ ہلاکت دنیوی بھی ہو سکتی ہے اور اُخروی بھی یعنی یہ بھی ممکن ہے کہ اپنی حد سے بڑھی ہوئی خواہشات کو پورا کرنے کے چکّر میں وہ ایسے کام کر گزرے جن کی سزا اُسے دنیا ہی میں مل جائے۔ مثلاً کئی راشی افسر دنیا ہی میں اپنے کیئے کی سزا پا لیتے ہیں۔ کئی چور لٹیرے اور غاصب دنیوی زندگی ہی میں پکڑے جاتے اور عبرتناک انجام کو پہنچ جاتے ہیں۔ کئی سُود خوری اور ذخیرہ اندوزی کر کے عوام کو مصائب میں مبتلا کرنے والے جیتے جی ہی اپنے کیے کی سزا بھگت لیتے ہیں۔ تاہم یہ کوئی لگا بندھا قانون نہیں کہ بُرے اعمال کی سزا ضرور زندگی ہی میں مل جائے۔ کبھی یہ سزا آخرت میں بھی جا ملتی

Marfat.com

ہے جو ہلاکت کی زیادہ اذیت دہ اور ہولناک شکل ہے۔ غرضکہ حضورؐ کے فرمان کے مطابق جو شخص خواہشات کی تکمیل ہی کو زندگی سمجھے بیٹھا ہوگا اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ پروا نہیں کرے گا کہ کونسی خواہش اسے دنیوی یا اُخروی ہلاکت کا شکار بنا دیتی ہے۔ مگر اس کے برعکس جس نے خدا ہی پر بھروسہ کیا اور اسی کی طرف توجہ رکھی تو اللہ تعالیٰ اس کی خواہشات کے معاملے میں خود ہی اس کے لیے کافی ہو جائے گا۔ توقع ہے کہ ایسے انسان کی دنیوی خواہشات اوّل تو ہوں گی ہی تھوڑی اور جو ہوں گی وہ بھی جائز ہی ہوں گی اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ اپنی رحمتِ کاملہ سے کام لیتے ہوئے اس کی یہ خواہشات پوری ہونے کا بندوبست فرما دے گا۔

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان فتنوں سے پہلے پہلے جلدی سے (نیک) اعمال کر لو جو اندھیری رات کے ٹکڑوں کی طرح ہوں گے (اور یہ حالت ہوگی کہ) آدمی صبح کو مومن ہوگا اور شام کو کافر، یا شام کو مومن ہوگا اور صبح کو کافر۔ انسان دنیوی ساز و سامان کے بدلے میں اپنا دین فروخت کر دے گا۔ (مسلم)

جیسے کہ پہلے بیان ہو چکا ہے ایسی احادیث میں آئندہ کی خبر بھی ہوتی ہے اور تنبیہہ بھی۔ اس حدیث میں ایک تو یہ تلقین فرمائی گئی ہے کہ ان آنے والے فتنے کے زمانے سے پہلے پہلے نیک اعمال کر لو اور دوسرے اس سے یہ سبق بھی ملتا ہے کہ جب لوگ دنیوی ساز و سامان کے بدلے اپنا دین فروخت کر دیں گے اس وقت کوشش یہی ہونی چاہیے کہ انسان اپنے دین کو بچانے کی پوری کوشش کرے۔ حقیقت یہ ہے کہ بُرے سے بُرے زمانے

Marfat.com

میں بھی ایسے لوگ ہو سکتے ہیں جو بھلائی کو سینے سے لگائے رہیں اور برائی سے بچنے کی سعی کرتے رہیں۔

یہاں ایک اور بات کو ذہن نشین کر لینا چاہیے وہ یہ کہ دولت مند ہونا کوئی برائی نہیں ہے بلکہ برائی تو یہ ہے کہ انسان دولت کا حریص ہو۔ اگر خدا کسی کو دولت دے مگر اس کا دل دولت کی حرص سے پاک ہو اور اُسے اتنا علم دین بھی حاصل ہو کہ وہ دولت کے صحیح استعمال کو جانتا ہو تو دولت اس کے لیے رحمت ہے۔ دولت رحمت اسی وقت بنتی ہے جب اس کے صحیح استعمال سے واقفیت ہو اور ساتھ ہی دل میں اس کی حرص بھی نہ ہو۔ شاید کم لوگ جانتے ہوں کہ حضرت سید عبدالقادر جیلانی، امام ابوحنیفہؒ اور حضرت عبداللہ بن مبارکؒ بہت زیادہ دولت مند لوگ تھے مگر ان کی دولتیں صحیح مصارف پر صرف ہوتی رہیں اور انہوں نے نہ انہیں متکبّر بنایا نہ سرکش اور آج دنیا انہیں دولتمند کی حیثیت سے نہیں بلکہ اللہ کے مطیع اور فرمانبردار بندوں کی حیثیت سے جانتی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمروؓ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلّم چار چیزوں سے پناہ مانگتے تھے۔ اس علم سے جو نفع نہ دے اور اس دل سے جو خوف نہ کرے اور اس دعا سے جو قبول نہ ہو اور اس نفس سے جو سیر نہ ہو۔

(نسائی)

سیر نہ ہونے والا نفس درحقیقت بے نصیب ہوتا ہے کیونکہ جو کچھ اللہ تعالیٰ اپنی مہربانی سے اُسے عطا فرماتا ہے وہ اس سے بھی خوشی اور اطمینان حاصل نہیں کرتا۔ کیونکہ ایک خواہش پوری ہوتے ہی دوسری شروع ہو جاتی ہے، وہ پوری ہو تو تیسری اُبھر آتی ہے اور ایسے ہی سلسلہ چلتا رہتا ہے۔ وہ وقت آتا ہی نہیں کہ انسان یہ محسوس کرے کہ خدا نے اس پر بہت انعامات

Marfat.com

ڈرتا ہے۔ ہیں اور اُسے ان پر خدا کا شکر گزار ہونا چاہیے۔ مسلسل حرص کی بے چینی
دل کو گھیرے میں لیے رہتی ہے۔ ایسے نفس سے خدا کی پناہ مانگتے رہنا چاہیے۔

حضرت عبدالرحمن رضؓ بن عوف بیان کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم
کے ساتھ ہم مصائب میں مبتلا کیے گئے تو ہم نے صبر کیا۔ پھر حضورؐ کے بعد
ہم خوش حالی دے کر آزمائے گئے تو ہم صبر نہ کر سکے۔ (ترمذی)

صبر دو قسم کا ہوتا ہے۔ ایک وہ جو غم، پریشانی اور ناکامی و محرومی کے
وقت کیا جاتا ہے اور دوسرا وہ جو خوشی اور خوش حالی اور کامیابی کے وقت
کیا جاتا ہے۔ غم اور محرومی کے وقت صبر یہ ہے کہ انسان جزع فزع
اور شکوہ شکایت کرنے سے بچا رہے اور جو تکلیف بھی خدا کی طرف
سے آئی ہو اُسے خدا کی رضا سمجھ کر خندہ پیشانی سے برداشت کرے اور
خوشی، خوش حالی اور کامیابی پر صبر کرنا یہ ہے کہ انسان بھول کر کبھی نہ ہر
جائے، آپے سے باہر نہ ہو، فخر و غرور میں نہ آئے۔ زیادہ کی حرص میں
مبتلا نہ ہو جائے۔ اپنی خوشی اور کامیابی کو سنجیدگی، انکسار اور وقار سے
برداشت کرے اور اسے خدا کا انعام سمجھتے ہوئے اس کا شکر گزار رہے۔

حضرت عبدالرحمن رضؓ بن عوف نے یہ جو فرمایا کہ ہم رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم
کے ساتھ مصائب میں مبتلا کیے گئے تو ہم نے صبر کیا تو آپ کے اس فرمان
کی صداقت پر تاریخ گواہ ہے۔ کتابیں ان واقعات سے بھری پڑی ہیں جو
بتاتے ہیں کہ صحابہ کرام رضؓ نے بڑی بڑی جان لیوا تکالیف اور مصائب کو صبر و
تحمّل سے برداشت کیا اور اللہ کی راہ سے ایک انچ بھی قدم پیچھے نہ ہٹایا۔ باقی
آپ نے یہ جو فرمایا کہ حضورؐ کے بعد ہم خوش حالی دے کر آزمائے گئے تو ہم صبر
نہ کر سکے، تو یہ یاد رکھنا چاہیے کہ یہ کسر نفسی اور تواضع ہے۔ صحابہ کرام اس قسم کی باتیں بطور

انکسار بھی کیا کرتے تھے یا اس لیے بھی کرتے تھے کہ حضورؐ سے براہ راست تربیت لے چکنے کے باعث ان لوگوں کا اچھائی کا معیار بہت اونچا تھا۔ اگر وہ اپنے آپ کو اس معیار سے ذرا کم ہوتے دیکھتے تو محسوس کرتے کہ ہم بہت نیچے چلے گئے ہیں۔ ویسے یہ چیز اپنی جگہ حقیقت ہے کہ غم کے صبر اور خوشی کے صبر کے بارے میں اوپر جو کچھ لکھا گیا ہے اس کی روشنی میں غور کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ غم میں صبر کرنے کی نسبت خوشی میں صبر کرنا زیادہ مشکل ہوتا ہے شاید اس کی ایک وجہ یہ بھی ہو کہ غم کے وقت دل نرم ہو کر خدا کی طرف مائل ہوتا ہے اور خدا کی یادِ غم کی راہوں کو آسان کر کے صبر کرنے کو نسبتاً سہل بنا دیتی ہے مگر خوشی کے وقت دل عموماً خدا کی یاد سے اس طرح معمور نہیں ہوتا جتنا غم کے وقت ہوتا ہے۔ اس لیے خوشی کا صبر مشکل ہو جاتا ہے اور انسان خوشی کی بے صبری کا شکار ہو جاتا ہے یعنی یا تو آپے سے باہر ہو جاتا ہے یا فخر و غرور کا شکار ہو جاتا ہے یا زیادہ کی حرص میں مبتلا ہو جاتا ہے یا اس کامیابی اور خوشی کو اپنے علم اور عقل کا نتیجہ قرار دے کر خدا کے انعامات کا کما حقہ شکر گزار نہیں ہوتا۔

حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ اگر آدمؑ کے بیٹے کے پاس مال کی دو وادیاں ہوں تو وہ تیسری تلاش کرے گا اور آدمؑ کے بیٹے کے پیٹ کو صرف مٹی ہی بھر سکتی ہے اور جو شخص توبہ کرے اللہ اس کی توبہ قبول کرتا ہے۔ (بخاری)

مٹی سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ قبر کی مٹی مراد ہے یعنی جب تک انسان زندہ ہے چاہے اس کے پاس کتنی ہی زیادہ دولت کیوں نہ ہو، وہ یہی چاہتا

ہے کہ اُسے اور بھی مل جائے اور یہ حرص اُس کی اُسی وقت ختم ہوتی ہے جب وہ مر کر قبر میں دفن ہو جاتا ہے اور مٹی میں مل کر مٹی ہو جاتا ہے جس انداز سے یہ بات بیان فرمائی گئی ہے، اس سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ آدمؑ کے بیٹے کی یہ حرص سخت ناپسندیدہ ہے۔ مومن کو اس سے بچنا چاہیے۔

حضرت ابو ھریرہؓ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلّم کی طرف سے بیان کرتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا کہ بوڑھے کا دل دو چیزوں کی محبّت کے بارے میں جوان ہے (ایک) زندگی کی محبت اور (دوسرے) مال کی محبّت۔ (مسلم)

عمر زیادہ ہو جانے کا قدرتی نتیجہ تو بظاہر یہی ہونا چاہیے کہ انسان یاد رکھے کہ اب اللہ تعالیٰ کے حضور میں حاضر ہونے کا وقت قریب آ گیا ہے۔ لہٰذا دولت کی حرص دل سے نکال کر اعمال نیک اور عبادت کی طرف توجہ دی جائے اور لمبی عمر گزار چکنے کے بعد اور زندگی سے بہت کچھ لے چکنے کے بعد اب مزید زندہ رہنے کی حرص بھی کم ہونی چاہیے۔ خصوصًا اس لیے بھی کہ عمومًا انسان بڑھاپے میں صحت کی خرابی اور کئی اور اقسام کی پریشانیوں کا شکار ہو جاتا ہے۔ لیکن یہ عجیب بات ہے کہ بڑھاپے میں بھی انسان کے دل سے زندگی اور مال کی محبّت کم نہیں ہوتی، الّا ماشاء اللہ۔

حضرت ابو ھریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ ہلاک ہو دینار کا بندہ اور درہم کا بندہ اور مخملیں چادر کا بندہ اور کناروں والے جُبّے کا بندہ کہ اگر اسے دیا جائے تو خوش ہوتا ہے اور اگر نہ دیا جائے تو ناراض ہو جاتا ہے۔ (بخاری)

یہاں دولت اور اعلیٰ لباس کی بہت زیادہ حرص رکھنے والوں کے لیے

Marfat.com

بڑے سخت الفاظ استعمال کیے گئے ہیں اور ان کی یہ صفت بتائی گئی ہے کہ ان کا کسی سے خوش ہونا یا ناراض ہونا بھی اسی بنا پر ہوتا ہے کہ انہیں اس سے دولت و ثروت ملتی ہے یا نہیں ملتی۔ یعنی دولت کی حرص میں وہ اتنے دور چلے گئے ہیں کہ باہمی انسانی تعلقات کی خوشگواری اور ناخوشگواری کو بھی وہ اسی پیمانے سے ناپتے ہیں۔ مخملیں چادر اور کناروں والے جُبّے سے مراد اعلیٰ لباس ہے۔

Marfat.com

دیانتداری کے محرّکات

جس طرح دُنیا کی مبالغہ آمیز محبّت، حبّ جاہ اور حبّ مال انسان کو بددیانت بننے پر اکساتی ہیں، ایسے ہی کچھ اوصاف ایسے ہیں جو انسان کو دیانتدار بننے کی تحریک دیتے ہیں۔ ان میں ایک یہ ہے کہ انسان کو غریبی اور گمنامی کی اس فضیلت کا گہرا احساس ہو جس کی حضورؐ نے خوش خبری سنا رکھی ہے۔

غریبی اور گمنامی کی فضیلت

بلاشبہ غریبی ایک ایسی شے ہے جسے انسان طبعاً پسند نہیں کرتا اور اگر انسان خوش حال ہونے کے لیے جائز تگ و دو کرے تو یہ کوئی ناجائز امر بھی نہیں بلکہ پسندیدہ ہی ہے۔ پھر بھی غریبی کی فضیلت کیوں بیان کی گئی ہے؟ اس لیے کہ خوش حالی حاصل کر لینا انسان کے اپنے بس کی بات نہیں ہوتی۔ ہوسکتا ہے کہ انسان بہت تگ و دو کرنے کے باوجود خوش حالی حاصل نہ کرسکے۔ کیونکہ

اَللّٰہُ یَبۡسُطُ الرِّزۡقَ لِمَنۡ یَّشَآءُ وَ یَقۡدِرُ ؕ
(الحدید ۲۶)

"اللہ جس کو چاہتا ہے رزق کی فراخی بخشتا ہے اور جسے چاہتا ہے نپا تلا رزق دیتا ہے۔"

Marfat.com

لہٰذا اگر کوشش کرنے کے باوجود انسان اپنی مفلسی دُور نہ کر سکے تو اسے رنج و غم اور دل شکستگی کا شکار نہیں ہو جانا چاہیے بلکہ اطمینان رکھنا چاہیے کہ جس حالت میں وہ ہے وہ بھی اپنی بڑی فضیلت رکھتی ہے۔

حضرت ابو سعید خُدریؓ بیان کرتے ہیں کہ میں غریب مہاجروں کی ایک جماعت میں بیٹھا تھا (جن کی مفلسی کا یہ عالم تھا کہ ستر ڈھانکنے کے لیے جسموں پر پورا لباس بھی نہ تھا) وہ عریانی چھپانے کے لیے ایک دوسرے کی آڑ لیتے تھے اور ایک قاری ہمارے سامنے تلاوت کر رہا تھا کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلّم تشریف لے آئے اور ہمارے سامنے کھڑے ہو گئے۔ جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلّم کھڑے ہوئے تو قاری خاموش ہو گیا۔ حضورؐ نے سلام کیا، پھر فرمایا کہ تم کیا کر رہے تھے۔ ہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ یہ ہمارے قاری ہیں، یہ ہمارے سامنے تلاوت کر رہے تھے اور ہم اللہ تعالیٰ کی کتاب کو سن رہے تھے۔ اس پر رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ سب تعریف اس اللہ کی ہے جس نے میری اُمّت میں ایسے لوگوں کو پیدا کیا جن کے بارے میں مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اپنے دل کو ان کی معیت پر مطمئن کروں (یعنی حضورؐ نے سورۃ الکہف کی آیت ۲۸ کی طرف اشارہ فرمایا جس میں حضورؐ کو حکم دیا گیا ہے کہ "اپنے دل کو ان لوگوں کی معیّت پر مطمئن کیجئے جو اپنے ربّ کی رضا کے طالب گار بن کر صبح و شام اسے پکارتے ہیں" الخ) پھر رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم ہمارے وسط میں بیٹھ گئے، اپنے آپ کو ہمارے برابر کرنے کے لیے (تاکہ کوئی امتیاز اور ترفع نہ

Marfat.com

رہے) پھر آپؐ نے اپنے دست مبارک سے اشارہ فرمایا کہ اس طرح (حلقہ بنالو) پس صحابہؓ نے حلقہ بنا لیا اور سب کے چہرے آپؐ کے سامنے تھے۔ حضرت ابوسعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلّم نے میرے سوا اُن میں سے کسی کو بھی نہ پہچانا۔ پھر رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ اے مہاجر درویشوں کی جماعت خوش ہو جاؤ کہ قیامت کے دن تم نورِ کامل کے ساتھ دولت مند لوگوں سے آدھا دن پہلے جنّت میں داخل ہو گے اور وہ آدھا دن بھی پانچ سو برس کا ہوگا۔ (ابوداؤد)

ظاہر ہے کہ جس مسلمان کو اس فضیلت کا گہرا احساس ہوگا اس سے اس بات کی زیادہ توقع رکھی جاسکتی ہے کہ وہ دولت مند بننے کے لیے وہ طریقے اختیار نہیں کرے گا جنہیں اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دے رکھا ہے اور صرف اسی لیے حرام قرار دے رکھا ہے کہ وہ انسانیت کے لیے مُضر تھے۔ گذشتہ صفحات میں قرآن پاک اور احادیث نبویؐ کے جو ارشادات پیش کیے جا چکے ہیں، وہ واضح کئے دیتے ہیں کہ دولت و ثروت کا لالچ اور جاہ و عزّت اور نام و نمود کی حرص وہ راہیں ہیں جن میں انجام کار انسان کا نقصان ہی نقصان ہے۔ انسان کو گمنامی اور غریبی کی فضیلت سے واقف کرانا اور اس کا احساس دلانا انسان کو اسی نقصان سے محفوظ کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔

حضرت فضالہؓ بن عُبید بیان کرتے ہیں کہ جب رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم لوگوں کو نماز پڑھاتے تو بعض لوگ بھوک اور کمزوری کے باعث نماز میں قیام کی حالت میں سے نیچے گر پڑتے۔ یہ لوگ اصحابِ صُفّہ تھے (انہیں اس حالت میں دیکھ کر دیہاتی

Marfat.com

لوگ کہتے کہ یہ پاگل ہیں (ایک دن) جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ادا کر لی تو ان کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ اگر تم جانتے کہ اللہ تعالیٰ کے پاس تم لوگوں کے لیے کیا کچھ ہے تو تم اس بات کو محبوب رکھتے کہ (دنیا میں) تمہارا یہ فقر اور محتاجی زیادہ ہو۔ حضرت فضالہؓ بیان کرتے ہیں کہ اس دن میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا۔ (ترمذی)

اصحابِ صُفّہؓ وہ غریب، مسکین اور نیکوکار لوگ تھے جن کے نہ بال بچے تھے نہ گھر بار نہ کوئی ذریعہ آمدنی۔ ان مومنوں نے اپنی زندگی خدا کے دین کے لیے وقف کر رکھی تھی۔ یہ مسجد ہی میں رہتے تھے اور علم دین سیکھتے تھے۔ جب کہیں سے کچھ آتا تو حضورؐ انہیں کھلاتے پلاتے مگر اکثر فقر و فاقہ کی نوبت آئی رہتی۔ ان قانع لوگوں کو حضورؐ نے خوش خبری سنائی کہ خدا کے دین کی راہ میں جو تکالیف وہ سہہ رہے ہیں مگر دنیا کی دولت سمیٹنے کی طرف توجہ نہیں دیتے، اس کے عوض انہیں آخرت میں اتنا زیادہ اجر ملے گا کہ اگر اس کا انہیں اندازہ ہو تو ان کی یہی خواہش ہو کہ ان کی مفلسی اور زیادہ ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ قناعت کا کم ہونا اور حرص کا زیادہ ہونا درحقیقت اسی لیے ہے کہ آخرت کے احوال دل کی آنکھوں کے سامنے واضح نہیں ہیں۔ اگر آخرت کے دوام اور وسائل کے بے کانٹا امن و سکون کا صحیح احساس ہو تو انسان دنیوی مال و جاہ کے پیچھے دوڑنے کے بجائے اس سے دُور بھاگنے کو زیادہ پسند کرے۔

حضرت معاذ بن جبلؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا میں تمہیں یہ نہ بتاؤں کہ جنّت کے بادشاہ کون ہوں گے۔ میں نے عرض کیا کہ کیوں نہیں (ضرور بتائیے) آپؐ

Marfat.com

نے فرمایا کہ (جنت کا بادشاہ) وہ کمزور و ناتواں شخص رہے) جسے لوگ کمزور و ناتواں سمجھتے ہیں۔ وہ دو بوسیدہ کپڑے پہنے ہے، کوئی اس کی پروا نہیں کرتا (لیکن اللہ کے نزدیک اس کا وہ رتبہ ہے کہ) اگر وہ اللہ کے بھروسے پر قسم کھا لے تو خدا اُسے سچا کر دے۔ (ابن ماجہ)

انسان کو دیانت داری کی طرف لے جانے والی دوسری چیز:

قناعت و سیر چشمی

ہے۔ قناعت یہ ہے کہ انسان کو جائز ذرائع سے جو کچھ ملا ہو وہ اس پر مطمئن رہے اور زیادہ کی حرص نہ کرے۔ جب دل میں کسی چیز کی حرص نہیں ہوتی تو انسان کسی شے کی طرف حریصانہ نگاہوں سے دیکھتا بھی نہیں گویا اس کی آنکھ سیر ہوتی ہے اس لیے اُسے کسی شے کی طرف بھوکی نگاہوں سے دیکھنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اس طرح قناعت اور سیر چشمی لازم و ملزوم ہیں اور ان دونوں اوصاف کا تعلق دولت کی کمی اور زیادتی سے نہیں ہوتا بلکہ دل کے حریص یا بے نیاز ہوتے سے ہوتا ہے۔ دل کا بے نیاز ہونا یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کے سوا ہر ایک سے بے نیاز ہو۔ لبا اوقات ہم دیکھتے ہیں کہ ایک شخص کے پاس اس کی ضروریات سے بہت زیادہ فالتو مال موجود ہے مگر اس سے بھی زیادہ حاصل کرنے کی حرص برابر لگی ہوئی ہے۔ یہ شخص محتاج ہے کیونکہ محتاج اس کو کہا جاتا ہے جسے احتیاج ہو۔ یہ شخص دولتمند ہونے کے باوجود احتیاج کا شکار ہے۔ لہٰذا یہ محتاج ہے۔ اس کے برعکس بعض سیر چشم ایسے ہوتے ہیں کہ بمشکل ضروریات ہی پوری کر سکتے ہیں۔ تاہم ان کے دل میں مال و دولت کی حرص نہیں ہوتی، لہٰذا وہ محتاج نہیں کیونکہ

Marfat.com

وہ احتیاج کا شکار نہیں۔ یہی مطلب ہے حضورؐ کے مندرجہ ذیل فرمان کا۔

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مالداری مال واسباب کی کثرت کا نام نہیں ہے بلکہ (اصل) مالداری تو دل کی مالداری ہے۔ (بخاری)

حضورؐ نے مسلمانوں کو عہدہ وجاہ اور مال و دولت کی حرص سے بچانے کے لیے قناعت، وسیر چشمی کی فضیلت بیان فرمائی ہے۔

حضرت عبداللہؓ بن عمروؓ بن العاص بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ کامیاب ہوگیا وہ شخص جو اسلام لایا اور اسے بقدر کفاف روزی دی گئی (یعنی بس اتنی روزی جس سے ضروریات پوری ہو جائیں) اور جو کچھ خدا نے اُسے دیا اُس پر اُسے قناعت کرنے کی توفیق عطا فرمادی (مسلم)

ایسے ہی حضورؐ نے زیادہ سے زیادہ کی حرص میں مبتلا ہو جانے سے روکنے کے لیے اپنے مخصوص نفیس انداز میں اس حقیقت سے واقف کرایا ہے کہ زندگی کی اصل ضروریات درحقیقت کم ہیں۔ انسان نے صرف اپنی حرص کے باعث انہیں بڑھا رکھا ہے۔

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ جس گھر کے رہنے والوں کے پاس کھجوریں ہوں، وہ بھوکے نہیں ہوتے۔ (مسلم)

یعنی اگر انسان کے پاس کوئی ایسی چیز موجود ہے جس سے پیٹ بھی بھر جاتا ہے اور غذائیت بھی حاصل ہو جاتی ہے تو یہ کافی ہے۔ ضروری نہیں کہ اعلیٰ قسم کے پُرتکلف کھانے ہوں تبھی وہ سمجھے کہ میرے پاس غذا ہے۔ ایسے

Marfat.com

ہی۔

سلمہؓ بن عبید اللہ بن محصن انصاریؓ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے جو شخص اس حالت میں صبح کرے کہ اس کا جسم تندرست ہو، اس کے دل میں بے خوفی اور اطمینان ہو، اور اس کے پاس اس دن کا کھانا بھی موجود ہو تو گویا اس کے لیے ساری دنیا اکٹھی ہو گئی۔

(ابن ماجہ)

یعنی اسے دنیا کی ہر نعمت حاصل ہے۔ ایسے ہی:

حضرت جابرؓ بن عبد اللہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے فرمایا کہ ایک بستر آدمی کے اپنے لیے ہو اور ایک اس کی بیوی کے لیے اور تیسرا مہمان کے لیے (بس اتنے ہی کافی ہیں) اور چوتھا (کبھی ہوا تو وہ) شیطان کے لیے (ہوگا)۔ (مسلم)

مراد یہ ہے کہ گھر کا سامان اتنا ہی رکھنا چاہیے جو ضرورت کے مطابق ہو۔ ضرورت سے مراد اہل خانہ اور مہمانوں دونوں کی ضروریات ہیں۔ ظاہر ہے کہ اہل خانہ اگر زیادہ ہوں گے تو اتنے ہی زیادہ بستروں کی ضرورت ہو گی، لہٰذا اتنے رکھے جا سکتے ہیں۔ حضورؐ نے جو یہاں صرف میاں اور بیوی کا نام لیا تو اس سے مراد یہ تھی کہ عموماً دو لوگ تو گھر میں ہوتے ہی ہیں۔ یہ مراد نہیں تھی کہ اگر اور لوگ ہوں تو ان کے بستر نہ رکھے جائیں۔ اس حدیث میں حضورؐ نے درحقیقت جس بات کی تلقین فرمائی ہے وہ یہ ہے کہ ضرورت سے زیادہ سامان اکٹھا کرنا اور اسے ذریعۂ فخر بنانا مومن کا کام نہیں ہے۔ کیونکہ جو شخص اچھی طرح جانتا ہی نہیں بلکہ دل سے یقین رکھتا ہے کہ یہ زندگی عارضی ہونے کے علاوہ بہت جلد بیت بھی جاتی

Marfat.com

ہے اور بعد الموت کی زندگی کا کوئی اختتام نہیں وہ زندگی ہیں۔ بے ضرورت سازو سامان اکٹھا کرنا ناپسند نہ کرے گا جس کی دیکھ بھال اس کا وہ وقت بھی نگل جائے جو اس نے خدا کی خوشنودی حاصل کرنے والے کاموں پر صرف کرنا تھا اور شیطان کو یہ موقع بھی بہم پہنچائے کہ وہ اسے زیادہ سے زیادہ کی حرص میں مبتلا کرکے دنیا کی حقیر شان و شوکت حاصل کرنے کی کوششوں ہی میں الجھائے رکھے اور آخرت کی تیاری سے غافل کر دے۔ اس عارضی دنیوی زندگی کو گزارتے ہوئے اگر انسان کے دل میں حقیر دنیوی ساز و سامان کی کثرت کے حصول کی حرص پیدا ہو جائے تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ بہتر چیزوں سے غافل ہو جائے گا۔ سورۃ التکاثر میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے

اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ ۙ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ۙ

"تم لوگوں کو زیادہ سے زیادہ اور ایک دوسرے سے بڑھ کر دنیا حاصل کرنے کی دھن نے غفلت میں ڈال رکھا ہے یہاں تک کہ اسی فکر میں تم لب گور تک پہنچ جاتے ہو۔"

اس کی تشریح کرتے ہوئے بیان کیا گیا ہے کہ :

"تکاثر کثرت سے ہے اور اس کے تین معنی ہیں۔ ایک یہ کہ آدمی زیادہ سے زیادہ کثرت حاصل کرنے کی کوشش کرے۔ دوسرے یہ کہ لوگ کثرت کے حصول میں ایک دوسرے سے بڑھ جانے کی کوشش کریں۔ تیسرے یہ کہ لوگ ایک دوسرے کے مقابلے میں اس بات پر فخر جتائیں کہ انہیں دوسروں سے زیادہ کثرت حاصل ہے...... پس اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ کے معنی ہوئے کہ تکاثر نے تمہیں اپنے اندر ایسا مشغول کر لیا ہے کہ اس کی دھن نے تمہیں اس سے اہم تر چیزوں سے غافل کر دیا ہے آگے بیان کیا گیا ہے کہ اس کثرت کی محبت کے باعث

Marfat.com

لوگ کن کن چیزوں سے غافل ہو گئے ہیں، وہ خدا سے غافل ہو گئے ہیں، عاقبت سے غافل ہو گئے ہیں، اخلاقی حدود اور اخلاقی ذمّہ داریوں سے غافل ہو گئے ہیں، حقداروں کے حقوق اور ان کی ادائیگی کے معاملے میں اپنے فرائض سے غافل ہو گئے ہیں۔ انہیں معیارِ زندگی بلند کرنے کی فکر ہے مگر اس بات کی کوئی فکر نہیں کہ معیارِ آدمیت کس قدر گر رہا ہے۔ انہیں زیادہ سے زیادہ دولت چاہیے مگر اس بات کی پروا نہیں کہ وہ کس ذریعے سے حاصل ہوتی ہے۔ انہیں عیش وعشرت اور جسمانی لذتوں کے سامان زیادہ سے زیادہ مطلوب ہیں مگر اس ہوس رانی میں غرق ہو کر وہ اس بات سے بالکل غافل ہو گئے ہیں کہ اس روش کا انجام کیا ہے۔ انہیں زیادہ سے زیادہ طاقت۔ زیادہ سے زیادہ فوجیں، زیادہ سے زیادہ ہتھیار فراہم کرنے کی فکر ہے اور اس معاملے میں ان کے درمیان ایک دوسرے سے آگے نکل جانے کی دوڑ جاری ہے۔ مگر انہیں اس بات کی فکر نہیں ہے کہ یہ سب کچھ خدا کی زمین کو ظلم سے بھر دینے اور انسانیت کو تباہ و برباد کر دینے کا سروسامان ہے۔ غرضکہ تکاثر کی بے شمار صورتیں ہیں جنہوں نے اشخاص اور اقوام کو اپنے اندر ایسا مشغول کر رکھا ہے کہ انہیں دنیا اور اس کے فائدوں اور لذتوں سے بالاتر کسی چیز کا ہوش نہیں رہا ہے۔" (تفہیم القرآن)

حضورؐ نے قناعت اور سیر چشمی کی فضیلت بیان کرنے کے علاوہ دل میں قناعت پیدا کرنے کا ایک کامیاب گر بھی تعلیم فرمایا ہے۔

حضرت ابوھریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس شخص کی طرف نگاہ کرو جو (مال و دولت یا عہدہ و جاہ یا حسن وجمال وغیرہ وغیرہ میں) تم سے کم ہے اور اس کی

طرف نہ دیکھو جو تم سے بڑھ کر ہے۔ اس سے تم اللہ کی نعمتوں کو جو اس نے تمہیں دے رکھی ہیں، حقیر نہیں سمجھو گے۔ (مسلم)

حقیقت یہ ہے کہ کوئی کتنا ہی غریب، کتنا ہی بے اختیار یا کتنا ہی کم صورت کیوں نہ ہو، کوئی اور ایسا ہوگا جو ان امور میں اُس سے بھی نیچے ہوگا۔ اور ایسے ہی کوئی کتنا ہی امیر، کتنا ہی بڑے عہدے کا مالک اور کتنا ہی خوبصورت کیوں نہ ہو کوئی اور ایسا ہوگا جو ان صفات میں اُس سے بڑھ کر ہوگا۔ لہٰذا اگر انسان اپنے سے اُوپر کی طرف دیکھتا رہے تو وہ کبھی بھی خدا کا شکر ادا کرنے کی طرف مائل نہ ہوگا اور اس کے دل میں رشک وحسد ڈیرے ڈالے رہے گا کہ میں فلاں سے بھی کم ہوں اور فلاں سے بھی کم ہوں۔ اس کے برعکس اگر وہ اپنے سے نیچے والوں کی طرف دیکھے گا تو اسے معلوم ہوگا کہ وہ کتنے بے شمار لوگوں سے اونچا ہے اور اس طرح توقع ہے کہ اس کا دل مطمئن رہے گا اور وہ خدا کا شکر ادا کرنے کی طرف مائل ہوگا۔ یہ قناعت کی چابی ہے کہ انسان اپنے سے نیچے والوں کی طرف دیکھے اور اوپر والوں کی طرف نہ دیکھے۔ جامع ترمذی میں ایک حدیث بیان ہوئی ہے جس کے آخر میں ذیل کے الفاظ ہیں۔

حضرت عون بن عبد اللہ بن عُتبہ بیان کرتے ہیں کہ میں دولتمندوں کی صحبت میں رہا تو اپنے سے زیادہ کسی کو غمزدہ نہ پایا۔ اپنی سواری سے اچھی سواری اور اپنے کپڑوں سے اچھے کپڑے دیکھتا اور غم کھاتا پھر جب) غریبوں کے ساتھ رہا تو (اس رنج وغم سے) آرام حاصل ہو گیا (کیونکہ نہ کسی کو اپنے سے بہتر حالت میں دیکھتا تھا نہ اپنی محرومی پر غم کھاتا تھا)۔ (ترمذی)

Marfat.com

فلاحِ آخرت کی تمنّا

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے اپنے نیک بندوں کے لیے وہ کچھ تیار کر رکھا ہے جسے نہ کسی آنکھ نے دیکھا، نہ کسی کان نے سنا، نہ کسی بشر کے دل میں (اس کا) خیال گزرا...... (بخاری)

حقیقت یہ ہے کہ صرف حیا و پاکدامنی اور امانت و دیانت ہی نہیں بلکہ ہر نیکی اختیار کرنے اور اس پر قائم رہنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ دل کی آنکھوں کے سامنے اُنہیں چیزوں کو واضح رکھنے کی کوشش کی جائے جنہیں "نہ کسی آنکھ نے دیکھا، نہ کسی کان نے سُنا" اور اُنہیں چیزوں سے دل لگانے کی کوشش کی جائے، جن کا خیال بھی کبھی کسی بشر کے دل میں نہیں گزرا۔

انسانی دل کو تو تمنّائیں چاہئیں جن میں وہ مصروف رہے۔ اگر اُسے اعلیٰ وارفع تمنّاؤں میں مصروف نہ رکھا جائے گا تو وہ گھٹیا اور لچر قسم کی تمنّائیں پال لے گا۔ اُس نے فارغ تو رہنا نہیں ــــ تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ جو لوگ خود اعلیٰ وارفع تھے انہوں نے اپنے دلوں کو اعلیٰ وارفع تمنّاؤں ہی سے آباد رکھا اور اس راہ میں جو مشکلات آئیں انہیں خندہ پیشانی سے برداشت کیا۔ پھر تھوڑی دیر بھی نہیں گزری تھی کہ وہ تکالیف تو ختم ہو گئیں مگر ان کے اجر دائمی طور پر باقی رہ گئے۔

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ مجھے خدا کی راہ میں اتنا ڈرایا گیا کہ کسی اور کو اتنا نہیں ڈرایا گیا اور مجھے خدا کی راہ میں اتنی اذیّتیں دی گئیں کہ کسی اور کو اتنی نہیں دی گئیں اور مجھ پر تیس دن اور تیس راتیں اس طرح گزریں کہ میرے

Marfat.com

اور بلالؓ کے لیے اتنا کھانا نہیں تھا جسے کوئی صاحبِ جگر (یعنی جاندار) کھائے سوائے اس تھوڑی سی شے کے جسے بلالؓ کی بغل چھپا لیتی تھی۔ (ترمذی)

ترمذی ہی میں ایک اور لمبی حدیث بیان ہوئی ہے جس کے شروع میں حضرت ابو ہریرہؓ اہلِ صُفّہ کے فقر و فاقہ کا حال بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"اہلِ صُفّہ مسلمانوں کے مہمان تھے۔ ان کے نہ اہل و عیال تھے نہ مال جس کی پناہ لیتے۔ اُس خدا کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں کہ میں بھوک کی شدّت کے باعث اپنا جگر زمین کے ساتھ لگا دیتا تھا اور بھوک کے باعث اپنے پیٹ پر پتھر باندھ لیتا تھا......."

اب ذرا غور کیجیے کہ یہ تکالیف جن سے یہ پاکباز گزرے، آخر کتنی مدّت قائم رہیں، مگر اس فقر و فاقہ کا وہ خوشگوار انجام جس کی حضورؐ بشارت دے گئے تھے، چودہ سو سال سے مسلمان اس انجام کا ذکر پڑھتے اور آنے والی نسلوں کو اسے سناتے چلے آ رہے ہیں!!!۔

نوجوان لوگ ذرا اپنے بچپن کو یاد کریں کہ کدھر ہوا ہو گیا اور عمر رسیدہ لوگ اپنے بچپن اور جوانی دونوں کو یاد کریں کہ کس طرح بجلی کی سی تیزی کے ساتھ گزر گئے۔ اگر گزشتہ دور اتنی تیزی سے گزر گئے ہیں تو جو دور گزر رہا ہے اس نے گزرتے ہوئے آخر کونسی دیر لگانی ہے۔ ایک دن حضرت ابوبکرؓ نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا:

"وہ حسین لوگ کہاں گئے، جو اپنی جوانیوں پر ناز کرتے تھے؟
وہ بادشاہ کہاں گئے جنھوں نے شہر آباد کئے اور قلعے بنائے؟
وہ بہادر کہاں گئے جو میدانِ جنگ میں ہمیشہ غالب رہتے تھے؟

Marfat.com

زمانے نے انہیں ہلاک کر دیا اور اب وہ اندھیری قبروں میں پڑے ہوئے ہیں!!! "

سورۃ یونس آیت ۴۵ میں فرمایا گیا ہے:

"اور جس روز اللہ ان کو اکٹھا کرے گا تو (یہی دنیا کی زندگی انہیں ایسی محسوس ہوگی) گویا یہ محض دن کی ایک گھڑی بھر کے لیے آپس میں جان پہچان کرنے کو ٹھہرے تھے"۔

"یعنی جب ایک طرف آخرت کی بے پایاں زندگی ان کے سامنے ہوگی، اور دوسری طرف یہ پلٹ کر دنیا کی زندگی پر نگاہ ڈالیں گے تو انہیں مستقبل کے مقابلے میں اپنا یہ ماضی نہایت حقیر محسوس ہوگا۔ اس وقت انہیں احساس ہوگا کہ انہوں نے اپنی سابقہ زندگی میں تھوڑی سی لذتوں اور منفعتوں کی خاطر اپنے اس ابدی مستقبل کو خراب کر کے کتنی بڑی حماقت کا ارتکاب کیا ہے۔" (تفہیم القرآن)

یہ تو افراد کی زندگی کا معاملہ ہے جو عموماً سو سال تک بھی نہیں چلتی، ذرا ان بڑی بڑی تہذیبوں اور لمبی لمبی، چوڑی چوڑی سلطنتوں کو ذہن میں لائیے جو صدیوں قائم رہیں مگر آج وہ صرف تاریخ کے اوراق کی زینت ہو کر رہ گئی ہیں۔

"کتنی ہی خطاکار بستیاں ہیں جن کو ہم نے تباہ کیا ہے اور آج وہ اپنی چھتوں پر الٹی پڑی ہیں۔ کتنے ہی کنویں بیکار اور کتنے ہی قصر کھنڈر بنے ہوئے ہیں۔" (الحج: ۴۵)

ہم دیکھ سکتے ہیں کہ جن دانا لوگوں نے ان حقائق کو پیش نظر رکھا اور عارضی کو عارضی اور دائمی کو دائمی سمجھا، ان کے کردار میں جو خوبیاں پیدا

Marfat.com

ہوئیں ان میں ایک نمایاں خوبی امانت و دیانت تھی اور انہوں نے اس امانت و دیانت پر اس حیران کن حد تک زور دیا کہ ایک عام انسان اس کا حال پڑھ کر ششدر رہ جاتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کے حالاتِ زندگی میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ آپ شام کے علاقے میں گئے۔ وہاں آپ نے کسی سے لکھنے کے لیے قلم لیا اور پھر اسے واپس کرنا بھول گئے۔ جب آپ اپنے وطن مرو میں آ گئے، جو شام سے سینکڑوں میل دُور ہے، تو یاد آیا کہ اس شخص کا قلم تو واپس ہی نہیں کیا۔ اس پر اتنے پریشان ہوئے کہ محض وہ قلم واپس کرنے کے لیے سینکڑوں میل کا سفر دوبارہ کیا اور شام پہنچ کر اس شخص کو اس کا قلم پہنچایا۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ اگر شبہے میں تمہارے پاس کسی کا ایک درہم رہ جائے تو اس کا واپس کرنا لاکھ درہم صدقہ کرنے سے زیادہ اچھا ہے۔ ظاہر ہے کہ جو خداترس انسان دیانتداری کے معاملے میں ایسے نظریات پر ایمان رکھتا ہو اس کے لیے یہ امر تعجب انگیز نہیں کہ کسی کا ایک قلم واپس کرنے کے لیے سینکڑوں میل کے سفر کی صعوبتیں برداشت کرے۔

حضرت علیؓ کے ایک حاشیہ نشین ضرار صدائی بیان کرتے ہیں:

"بعض مواقع پر میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ رات گزر رہی ہے، ستارے جھلملا رہے ہیں اور حضرت علیؓ اپنی ڈاڑھی مٹھی میں دبائے مارگزیدہ کی طرح بے قرار اور غم رسیدہ کی طرح اشکبار کہہ رہے ہیں: اے دنیا کسی اور کو فریب دے۔ تو مجھ سے لگاوٹ کر رہی ہے میری مشتاق ہے، افسوس افسوس، میں نے تجھے تین طلاقیں دے دی ہیں، تیری عمر تھوڑی اور تیرا مقصد حقیر ہے۔ ہائے ہائے سفر طویل، راستہ وحشتناک

Marfat.com

اور زادِ سفر تھوڑا ہے"۔

جو عقل مند انسان دنیا کو اس نگاہ سے دیکھتا ہو، اس کے لیے یہ قدرتی بات ہے کہ وہ اسے آخرت کی کھیتی بنانے کے لیے اس کی دلفریبیوں سے متاثر نہ ہو، اس میں سے بہت کچھ لینے کی خواہش نہ رکھتا ہو اور اپنے فرائض ادا کرنے کی طرف پورے طور پر متوجہ رہے۔ یہی ضرار صدائی حضرت علیؓ کے اوصاف بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

"وہ بلند حوصلہ اور نہایت قوی تھے۔ فیصلہ کن بات کہتے تھے، عادلانہ فیصلے کرتے تھے، ان کے ہر سمت سے علم پھوٹتا تھا اور حکمت ٹپکتی تھی، دنیا اور اس کی دلفریبیوں سے وحشت کرتے تھے، رات کی تاریکی اور اس کی وحشت سے اُنس رکھتے تھے، عبرت پذیر اور بہت غور و فکر کرنے والے تھے، موٹا جھوٹا لباس اور موٹا جھوٹا کھانا پسند کرتے تھے، ہم ہی لوگوں کی طرح رہتے تھے، جب ہم کچھ پوچھتے تھے تو اس کا جواب دیتے تھے، باوجودیکہ وہ ہم کو اپنے قریب رکھتے تھے اور خود ہمارے قریب رہتے تھے، لیکن ہم ہیبت سے ان سے گفتگو نہ کر سکتے تھے، وہ دینداروں کی تعظیم کرتے تھے، غریبوں کو مقرب بناتے تھے۔ ان کے سامنے طاقتور باطل میں طمع نہیں کر سکتا تھا اور کمزور انصاف سے مایوس نہیں ہوتا تھا"۔

اعتدال کے ساتھ سادگی

یہاں سادگی کے ساتھ "اعتدال" کی شرط لگائی اس لیے ضروری سمجھی گئی ہے کہ قرآن و حدیث کی روشنی میں جس اسلامی زندگی کی تصویر نظر آتی ہے اس کے ہر پہلو میں اعتدال ہی کو پسند کیا گیا ہے۔ یہی اصول انسان کے اخراجات کے معاملے میں اختیار کرنا پسندیدہ ہے۔ زندگی گزارتے ہوئے نہ یہ انتہا

Marfat.com

پسندیدہ ہے کہ انسان استطاعت ہوتے ہوئے بھی بُرے حالوں رہے اور نہ اسی کو اچھا سمجھا گیا ہے کہ انسان اپنے رہنے سہنے کا انداز ایسا مسرفانہ کرلے جس کی اس کی آمدنی اجازت نہ دیتی ہو۔ سورۃ بنی اسرائیل آیت ۲۹ میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ:

"نہ تو اپنا ہاتھ گردن سے باندھ رکھو اور نہ اُسے بالکل ہی کھُلا چھوڑ دو کہ ملامت زدہ اور عاجز بن کر رہ جاؤ"۔

"ہاتھ باندھنا استعارہ ہے بخل کے لیے اور اُسے کھُلا چھوڑ دینے سے مراد ہے فضول خرچی۔

.......(مراد یہ ہے کہ) لوگوں میں اتنا اعتدال ہونا چاہیے کہ وہ نہ بخیل بن کر دولت کی گردش کو روکیں اور نہ فضول خرچ بن کر اپنی معاشی طاقت کو ضائع کریں۔ اس کے برعکس ان کے اندر توازن کی ایسی صحیح حس موجود ہونی چاہیے کہ وہ بجا خرچ سے باز بھی نہ رہیں اور بے جا خرچ کی خرابیوں میں مبتلا بھی نہ ہوں۔ فخر اور ریا اور نمائش کے خرچ، عیاشی اور فسق و فجور کے خرچ اور تمام ایسے خرچ جو انسان کی حقیقی ضروریات اور مفید کاموں پر صرف ہونے کے بجائے دولت کو غلط راستوں میں بہا دیں، دراصل خدا کی نعمت کا کفران ہے"۔

(تفہیم القرآن)

ایسے ہی ایک طرف اہلِ اسلام کو فضول خرچی سے روکتے ہوئے سورۃ بنی اسرائیل ہی کی آیت ۲۷ میں فرمایا گیا ہے:

"فضول خرچی نہ کرو، فضول خرچ لوگ شیطان کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے ربّ کا ناشکرا ہے۔"

اور دوسری طرف ابوالاحوص کے باپ بیان کرتے ہیں کہ حضورؐ نے مجھے

Marfat.com

پھٹے پرانے کپڑوں میں دیکھا تو پوچھا کہ کیا تمہارے پاس کچھ مال ہے؟ میں نے عرض کیا کہ ہر طرح کا مال موجود ہے تو حضورؐ نے فرمایا کہ:

"پھر تجھ پر اس کا اثر ظاہر ہونا چاہیے۔" (ترمذی)

اعتدال کے ساتھ سادگی سے مراد وہی طرزِ زندگی ہے جو ان دونوں ارشادات کے مطابق ہو یعنی نہ اس میں فضول خرچی ہو کہ انسان مالی مشکلات کا شکار رہو کر اس آزمائش میں پڑ جائے کہ بددیانتی سے روپیہ حاصل کرے اور نہ یہ صورت ہو کہ انسان درمیانی قسم کا اچھا لباس پہن سکتا ہو مگر پھر بھی پھٹے پرانے کپڑے پہنے ایک طرف اس بات کا دھیان رکھنا چاہیے کہ انسان کی جو حیثیت ہو، اس کا رہنا سہنا اس کے مطابق ہو اور دوسری طرف اس بات کی پوری احتیاط کرنی چاہیے کہ انسان کی جو حیثیت اس سے زیادہ ظاہر کرنے کے خبط میں گرفتار ہو کر نمود و نمائش کے چکر میں نہ پھنس جائے۔ اعتدال والی سادگی کی روح یہ ہے کہ اپنی غذا، اپنے لباس، اپنی رہائش، اپنے تحائف اور زندگی کے تمام دوسرے امور میں اس بات کا دھیان رکھا جائے کہ اخراجات آمدنی کے اندر اندر رہیں۔ نمود و نمائش پر مال خرچ نہ کیا جائے اور مفید اور غیر مفید میں فرق کرتے ہوئے مفید پر روپیہ صرف کیا جائے اور غیر مفید پر خرچ کرنے سے پرہیز کی جائے۔

اعتدال والی سادگی اختیار کرنے کا ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ شادی اور غمی کی ان فضول اور مسرفانہ رسوم سے پرہیز کی جائے جو اتنی خوشی بہم نہیں پہنچاتیں جتنا مالی پریشانیوں کا شکار بنا کر غم بہم پہنچا دیتی ہیں۔ اگر کسی کے پاس دولت زیادہ بھی ہو تو بھی اسے آگ لگا کر تماشا دیکھنا کسی طرح بھی مناسب نہیں۔ زیادہ دولتمند لوگ اپنے چاؤ پورے کرنے کے لیے حد سے زیادہ اسراف سے کام لیتے ہیں۔ اس سے رسموں کے جال کو جو تقویت ملتی ہے اس سے متوسط طبقے کے لوگ اور غریب والدین بری طرح جکڑے جاتے ہیں۔ نہ صرف مہنگی

Marfat.com

شادیاں اور مسرفانہ جہیز سب سے زیادہ بچیوں ہی کے لیے مضر ثابت ہو رہے ہیں، کیونکہ لڑکوں والوں کے مطالبات اتنے بڑھتے جا رہے ہیں کہ جو والدین انہیں پورا نہ کرسکیں ان کی بیٹیاں بھیر بیٹھی رہ جاتی ہیں اور جو قرض اٹھا اٹھا کر ان مطالبات کو پورا کرتے ہیں وہ پھر مالی مشکلات کے چنگل میں پھنس جاتے ہیں جو بسا اوقات باپوں بھائیوں کو حرام کمائی کی طرف مائل کر دیتی ہیں۔

خواتین کا کردار

معاشرے میں امانت اور دیانت پھیلانے کے لیے خواتین بڑا اہم پارٹ ادا کرسکتی ہیں بشرطیکہ ان کے سینوں میں رضائے الٰہی حاصل کرنے کی تڑپ موجود ہو اور انہیں ملک و ملت سے وہ سچی محبت ہو جو ملک و ملت کو ضرر پہنچانے والی چیزوں کو برداشت نہیں کرسکتی۔ خواتین اگر چاہیں تو نہایت خاموشی سے بغیر پبلک میں اپنی خدمات کا اشتہار دیے اس انتہائی مفید خدمت کو سرانجام دے سکتی ہیں۔ اس سلسلے میں پہلا کام تو یہی ہے کہ وہ اپنے گھروں میں آنے والی آمدنی کا دھیان رکھیں کہ وہ غلط ذرائع سے تو نہیں آ رہی۔ عین ممکن ہے کہ بعض مرد اتنے شاطر اور عورتیں ایسی بھولی بھالی اور باہر کے داؤ پیچ سے ناواقف ہوں کہ وہ نہ جان سکیں کہ ان کے گھروں میں آنے والی کمائی کیسی ہے۔ تاہم خواتین اتنا تو کرسکتی ہیں کہ موقع محل دیکھ کر اپنے شوہروں کے سامنے حلال کمائی کی برکات اور حرام کمائی کی دنیوی رسوائی اور آخرت کے عذاب کا ذکر کرتی رہیں۔ یہ تذکرہ وہاں بھی ضروری ہے جہاں عورت کو پورا یقین ہو کہ اس کے گھر کی آمدنی پورے طور پہ حلال ہے۔ اس لیے کہ دلوں اور حالات کو بدلتے دیر نہیں لگتی۔ جو شے دینی نقطۂ نگاہ سے اتنی

Marfat.com

قابلِ تنفرین ہے اور معاشرے میں ہر طرف پھیلی ہوئی ہے۔ مناسب اوقات میں اس کا تذکرہ ہوتا رہنا چاہیے تاکہ کمانے والوں کے کانوں میں بات پڑتی رہے اور خدا کو منظور ہو تو ان کے دلوں پر اثر انداز ہوتی رہے۔ ایک ہی بات کو پیرایہ بدل بدل مناسب اوقات میں دہراتے رہنا، جیسے کہ قرآن پاک کا شائل ہے، انشاء اللہ اس کے مؤثر ہونے کا ذریعہ بن جاتا ہے۔

اب یہ بھی ظاہر ہے کہ خواتین اپنے شوہروں کو اس وقت تک حلال کمائی کا پابند نہیں بنا سکتیں جب تک وہ گھروں کے اخراجات کو حلال کمائی کے اندر لانے کی کوشش نہ کریں۔ یہ ایک افسوسناک حقیقت ہے کہ بسا اوقات خواتین کا بے ہودہ مسرفانہ رسوم کا دلدادہ ہونا اور ایک دوسری کے گھروں کے ...... ٹھاٹ باٹ سے متاثر ہو کر ویسے ہی ٹھاٹ باٹ کا ساز و سامان حاصل کرنے پر اصرار کرنا ان کے شوہروں کو غلط ذرائع سے روپیہ حاصل کرنے کی طرف متوجہ کر دیتا ہے۔ خواتین کو یاد رکھنا چاہیے کہ حلال کمائی ان کے گھروں میں شان و شوکت اور ٹھاٹ باٹ نہیں لا رہی تو خدا معلوم خیر و برکت کتنی لا رہی ہے۔ خدا معلوم یہ حلال کمائی کھا کر اُن کے بچے کتنے نیک، کتنے لائق فائق اور کتنے ہونہار نکلیں گے اور اُن کی بچیاں اپنے گھروں میں کتنی خوش اور سکھی رہیں گی اور عین ممکن ہے کہ یہ حلال کمائی کھا کر پلنے والی اولاد اتنے اچھے اوصاف اور قابلیت کی مالک ہو کہ دنیاوی لحاظ سے بھی خاندان کی کایا پلٹ کر رکھ دے۔ پھر یہ بھی ہے کہ جس گھر میں حلال کمائی آتی ہو گی، وہاں انشاء اللہ خدا کی رحمت بھی سایہ فگن ہو گی اور کون اندازہ لگا سکتا ہے کہ اس رحمت کا سایہ اہلِ خانہ کے لیے کتنے سکون، اطمینان اور بلاؤں سے محفوظ رہنے

Marfat.com

کا ذریعہ بن رہا ہوگا۔

خواتین کو یاد رکھنا چاہیے کہ سائنس کی ترقی نے تو گھروں کی سجاوٹ اور گھر میں رہنے والوں کے آرام اور آسائش کے لیے بے اندازہ چیزیں پیدا کر دی ہیں۔ اب کس میں اتنی مالی سکت ہے کہ ہر اس شے کو خریدے جو کسی رشتے دار یا سہیلی بہنیلی کے گھر یا کسی اور جگہ دیکھی ہو۔ اگر دلوں کو بے کار پریشانی اور گھر کی آمدنی کو حرام کی آمیزش سے بچانا ہو تو ضروری ہے کہ پورے طور پر اپنی آمدنی کے اندر رہا جائے۔ جو سکون اس میں ہے وہ ان چیزوں کو خریدنے میں نہیں جن کی خریداری تھوڑی بہت خوشی دے کر پھر مالی اضطراب میں مبتلا کر دیتی ہے۔ ایک دانا خاتون کی دانائی کا تقاضا یہی ہے کہ وہ دل کا سکون دے کر اضطراب نہ خریدے اور معاشرے میں پھیلی ہوئی بددیانتی کے خلاف بند باندھنے میں امکان بھر حصہ لے کر دنیا اور آخرت کی فلاح کی طلبگار ہو، جھوٹی شان و شوکت کی دھن میں اس غلاظت کو زیادہ پھیلانے میں مددگار نہ بنے۔ اگر وہ ایک مومن عورت ہے تو اس کے لیے اتنی مسرت اور عزت اور شان و شوکت کافی ہے کہ:

> حضرت عبداللہؓ بن عمروؓ بن العاص بیان کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دنیا متاع ہے اور اس کی سب سے بہتر متاع نیک عورت ہے۔
>
> (مسلم بحوالہ ریاض الصالحین)

واضح رہے کہ انسانی معاشرے میں بے شمار اقسام کے طبقات یا گروہ ہوتے ہیں اور کسی معاشرے کے پورے طور پر ایک دیانتدار معاشرہ ہونے

Marfat.com

کے لیے ضروری ہے کہ ہر گروہ امانت و دیانت کو شعار بنانے کی کوشش کرے۔ یہاں ان تمام گروہوں کا ذکر تو نہیں کیا جا سکتا۔ مگر آئندہ صفحات میں چند نمایاں طور پر اہم گروہوں کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ اسلام نے ان کے لیے جس دیانت داری کو لازم کیا ہے اس کے تقاضے کیا کیا ہیں۔ یہ نمایاں طور پر اہم لوگ حسبِ ذیل ہیں۔

۱۔ حکمران،

۲۔ سرکاری ملازم،

۳۔ مُنصِف ۔

۴۔ اور تاجر ۔

Marfat.com

حکمرانوں کی دیانت

حضرت معقلؓ بن یسار نے (بنو امیہ کے گورنر) عبید اللہ سے فرمایا کہ میں تمہیں ایک حدیث سناتا ہوں جو میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی تھی۔ حضورؐ نے فرمایا کہ جو شخص مسلمان رعیت کا حاکم ہو اور وہ اس حال میں مرجائے کہ اس رعیت کے ساتھ خیانت کر رہا ہو تو اللہ تعالیٰ اس پر جنت حرام کر دے گا۔ (بخاری)

جو شخص کسی علاقے میں حکمران تو بن بیٹھے مگر بہ حیثیت حکمران جو ذمہ داریاں اُس پر عائد ہوتی ہوں انہیں پورا نہ کرے، مثلاً

۱۔ رعیت کی حفاظت کا بندوبست نہ کرے، نہ اندر کے مفسدوں سے اور نہ باہر کے حملہ آوروں سے،

۲۔ رعیّت کے درمیان عدل وانصاف نہ کرے،

۳۔ رعیّت پر ظلم کرے،

۴۔ اپنے عہدۂ حکمرانی سے ناجائز ذاتی مفاد حاصل کرنے کی کوشش کرتا رہے،

۵۔ اپنے زیر نگرانی علاقے میں ایسا نظام قائم نہ کرے جو لوگوں کو ہدایت کی طرف لانے میں اور گمراہی سے دُور کرنے میں ممد ہو،

Marfat.com

۶۔ ملکی خزانے کی (جو تمام رعایا کا مال ہوتا ہے) کما حقہ، حفاظت نہ کرے بلکہ اُسے ذاتی دلچسپیوں میں یا اپنی ذاتی پوزیشن کو مضبوط کرنے کی خاطر اجاڑے،

۷۔ اپنی کرسی کو مضبوط کرنے کے لیے رعایا کے درمیان باہمی اختلافات کو بڑھکائے یا ذاتی مفاد کی خاطر ایسی ہی اور ریشہ دوانیاں کرے جن سے انجام کار ملک کمزور ہو اور رعایا کے حقوق تلف ہوں،

اور پھر اسی حالت میں مرجائے تو وہ بہت بڑا خائن ہے اور اللہ کے ہاں اس کے لیے بہت بُرا انجام ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ جس ملک کا حکمران دیانتداری سے اپنے فرائض سرانجام دیتا ہو اور ملکی خزانے کی کما حقہ، حفاظت کرتا ہو، وہ ملک بھی خوش بخت ہے اور اس کا حکمران بھی خوش نصیب ہے، کیونکہ ایسا ملک خوش حال اور مضبوط ہوگا اور اُس کے حکمران کو دنیا اور آخرت دونوں جگہ بھلائی نصیب ہوگی۔ کسی علاقے کے صاحب اختیار لوگوں کے دیانتدار ہونے کا نتیجہ یہی ہوتا ہے کہ اس کے عوام بھی دیانتداری اختیار کر لیتے ہیں۔ کیونکہ لوگ عموماً اپنے حکمران طبقے کی پیروی کیا کرتے ہیں۔ پھر خواص اور عوام کی اس دیانتداری سے علاقے کو بے پناہ خیر و برکت حاصل ہوتی ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ جو کام بھی دیانتدار لوگوں کے ہاتھوں سرانجام پاتا ہے اس پر خرچ نسبتاً کم اٹھتا ہے اور نتائج زیادہ نکلتے ہیں کیونکہ جو دولت اس پر صرف ہوتی ہے اس کا کوئی حصہ بددیانتی کے باعث ضائع نہیں ہوتا اور چونکہ اس کام کو فرض شناسی کے باعث محنت اور توجہ سے پایۂ تکمیل تک پہنچایا گیا ہوتا ہے اس لیے اس میں مضبوطی، پائداری اور فائدہ مندی زیادہ ہوتی ہے۔ اس کے

Marfat.com

برعکس جو ٹھیکے بد دیانت لوگوں کے ہاتھوں میں دے دیئے جاتے ہیں ان پر صرف کی جانے والی رقوم کا بہت سا حصہ اُن بد دیانت لوگوں کے قبضے میں چلا جاتا ہے اور قابلیت، پوری توجہ اور ضروری مشقت صرف نہ ہونے اور ناقص ساز و سامان استعمال کئے جانے کے باعث وہ کام بھی ناپائیدار اور کچے ہوتے ہیں۔ ہم آئے دن دیکھتے ہیں کہ جب بڑی بڑی سرکاری عمارات بنتی ہیں، پُل تعمیر کئے جاتے ہیں، سڑکیں بنائی جاتی ہیں، بند باندھے جاتے ہیں تو اگر ان کاموں کے ذمہ دار دیانت دار اور فرض شناس لوگ ہوتے ہیں تو یہ چیزیں مضبوط اور پائیدار بنتی ہیں اور مدتوں چلتی ہیں۔ لیکن اگر یہ چیزیں بد دیانت لوگوں کے ہاتھوں مکمل ہوتی ہیں تو وہ اپنے لیے زیادہ سے زیادہ پیسے بچانے کی خاطر ناقص ساز و سامان استعمال کرتے ہیں اور یہ چیزیں اپنی طبعی عمر پوری کرنے سے بہت پہلے ٹوٹ پھوٹ جاتی ہیں اور قومی خزانے پر انہیں از سر نو بنانے کا بھاری مالی بوجھ آ پڑتا ہے۔

یہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ عوام حکمرانوں کے طور طریقوں سے اتنے زیادہ متاثر ہوتے ہیں کہ حکمران اگر چاہیں تو دوسرے لوگوں کی نسبت بہت آسانی سے عوام کو جنت یا دوزخ کی طرف چلا سکتے ہیں۔ اسلام کی چودہ سو سالہ تاریخ پر نگاہ ڈالیں تو پتہ چلتا ہے کہ اگرچہ ہمارے ہاں بھی ایسے حکمرانوں کی کمی نہیں رہی جو مطلق العنان بادشاہ بن بیٹھے تھے اور قومی خزانے کو ذاتی جائداد سمجھ کر مجرمانہ طور پر جہاں چاہتے تھے، اُسے اُڑاتے رہتے تھے۔ تاہم جو سچی محبت اور حقیقی ہر دلعزیزی ان حکمرانوں کو نصیب ہوئی جو نیکوکار، پاکباز، خدا ترس، آخرت کا خوف رکھنے والے اور دیانت داری سے کام لینے والے تھے، وہ انہیں نہ مل سکی جو اپنی سلطنت کی حدود کو بڑھانے اور زیادہ سے

Marfat.com

زیادہ شان و شکوہ اختیار کرنے ہی کو زندگی کا مقصد بنائے ہوئے تھے۔

تاریخ اسلام کے مثالی حکمرانوں میں عموماً جو اوصاف مشترک نظر آتے ہیں، وہ حسب ذیل ہیں۔ یہ لوگ

۱۔ آخرت کی جواب دہی سے لرزاں و ترساں رہنے کے باعث بہت فرض شناس ہوتے تھے اور اپنے فرائض منصبی بڑی محنت اور توجہ سے ادا کرتے تھے۔

۲۔ ملکی خزانے کو امانت سمجھتے ہوئے حتی الامکان اس کی پوری پوری حفاظت کرتے تھے اور معمولی معمولی رقموں کے معاملے میں بھی از حد محتاط ہوتے تھے۔

۳۔ ملک کو اغیار کے حملوں سے بچانے، عوام کی جان، مال اور عزّت کی حفاظت کرنے، عوام کو عدل و انصاف بہم پہنچانے اور ملک میں خوش حالی پیدا کرنے کے بارے میں بہت فکر مند رہتے تھے۔

۴۔ اشاعتِ اسلام کو اپنی ذمہ داری سمجھتے ہوئے اس کے بہتر ولبست کی طرف خصوصی توجہ دیتے تھے۔

۵۔ اس معاملے میں بہت محتاط ہوتے تھے کہ لوگوں پر جو افسر مقرر کیے جائیں وہ اہل اور قابل ہوں اور ان کے اعمال پر نگاہ رکھی جائے تاکہ وہ اپنے فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی نہ کر سکیں اور عوام پر ظلم نہ کرنے پائیں۔

۶۔ ان کی اپنی زندگی بہت سادہ ہوتی تھی۔ وہ نمود، شان و شوکت سے دور رہتے تھے اور اپنی ضروریات کے لیے قومی خزانے سے کم سے کم وظیفہ لیتے تھے۔

۷۔ وہ غلط قسم کی کنبہ پروری سے پورے طور پر پرہیز کرتے تھے اور اپنے

اولاد کو حکمرانی ورثے میں دینے کے قطعی مخالف ہوتے تھے۔

۸۔ وہ غیر مسلم رعایا کے حقوق بڑی فکر مندی سے ادا کرتے تھے اور اسے اپنی دینداری کا ایک لازمی تقاضا سمجھتے تھے۔

۹۔ وہ بڑی فراخدلی سے رعایا کو حق تنقید دیتے تھے اور عوام کے اعتراضات کو بڑے صبر و تحمل سے سنتے تھے۔

تاریخ اسلام میں ایسے مثالی حکمران تو کئی گزرے ہیں مگر ذیل میں اُن میں سے صرف چند کے بارے میں کچھ حقائق پیش کیے جاتے ہیں جن سے پتہ چل جاتا ہے کہ ان لوگوں نے اپنے فرائض کو کتنی دیانتداری سے سرانجام دیا تھا۔

بیت المال کی حفاظت

حضرت عمرؓ کے بارے میں بتایا جاتا ہے کہ وہ بیت المال کے معاملے میں اتنے محتاط ہوتے تھے کہ اس کا ایک حبہ بھی بے محل صرف نہیں ہونے پاتا تھا۔ اس زمانے میں دولت جانوروں کی شکل میں بھی ہوتی تھی۔ حضرت عمرؓ بیت المال کے ایک ایک اونٹ کو مع حُلیے کے درج رجسٹر کرواتے تھے۔ ایک مرتبہ بیت المال کا ایک اونٹ بھاگ گیا۔ آپ خود بنفسِ نفیس اس کی تلاش میں نکلے۔ اس دوران میں ایک رئیس احنف بن قیس آپ کو ملنے کے لیے آ گئے۔ انہوں نے دیکھا کہ حضرت عمرؓ دامن چڑھائے اونٹ کی تلاش میں اِدھر اُدھر دوڑ رہے ہیں۔ احنف کو دیکھ کر فرمایا کہ آؤ تم بھی میرا ساتھ دو۔ بیت المال کا ایک اونٹ بھاگ گیا ہے۔ تم جانتے ہو کہ ایک اونٹ میں کتنے غریبوں کا حق ہے۔ کسی شخص نے کہا کہ امیر المؤمنین آپ کیوں تکلیف فرماتے ہیں کسی غلام کو حکم دیجئے وہ ڈھونڈ

Marfat.com

لائے گا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ مجھ سے بڑا غلام کون ہو سکتا ہے۔

اپنی ذات اور اولاد کے معاملے میں خصوصی طور پر بہت زیادہ احتیاط برتتے تھے۔ آپ کے زمانے میں روم اور ایران کے ساتھ جنگیں ہو رہی تھیں اور بکثرت مال غنیمت آ رہا تھا مگر آپ بیت المال سے ضرورت کے مطابق وظیفہ لینے کے سوا کچھ اور لینا اپنے اوپر حرام سمجھتے تھے اور وظیفہ بھی بس اتنا ہوتا تھا جس سے گزارا چل جائے۔ ایک دفعہ بیمار تھے اور شہد کی ضرورت تھی۔ بیت المال میں شہد موجود تھا مگر اسے بطور خود لینا گوارا نہ کیا۔ مسجد نبویؐ میں آکر مسلمانوں سے کہا کہ اگر آپ لوگ اجازت دیں تو تھوڑا سا شہد لے لوں۔

شام کی فتح کے بعد قیصر روم سے خط و کتابت ہو گئی تھی۔ ایک دفعہ آپ کی اہلیہ نے قیصر روم کی ملکہ کے پاس تحفے کے طور پر عطر کی کچھ شیشیاں بھیجیں۔ ملکہ نے ان شیشیوں میں جواہرات بھر کر بھیجے۔ حضرت عمرؓ نے اہلیہ محترمہ سے فرمایا کہ اگرچہ عطر تمہارا اپنا تھا، لیکن جو قاصد اس کو لے کر گیا تھا، وہ سرکاری تھا اور اس کے آنے جانے کے مصارف سرکاری طور پر ادا کیے گئے تھے۔ یہ کہہ کر وہ جواہرات بیت المال میں داخل کر دیے اور بیوی کو ایک دینار معاوضہ دے دیا۔ یعنی آپ یہ بھی گوارا نہیں کرتے تھے کہ جس قاصد کے آنے جانے کا خرچ سرکاری طور پر ادا ہوا ہے، اُسے کسی ذاتی کام کے لیے استعمال کیا جائے۔

ایسے ہی ایک دفعہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے بیت المال کا جائزہ لیا تو اس میں اس وقت صرف ایک درہم تھا۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے یہ خیال کر کے کہ ایک درہم کیوں پڑا رہے، وہ درہم حضرت عمرؓ کے ایک

Marfat.com

بچے کو دے دیا۔ آپ کو پتہ چلا تو درہم کو فوراً بیت المال میں داخل کیا اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو بلا کر فرمایا کہ مدینہ میں تمہیں آلِ عمرؓ کے سوا اور کوئی کمزور نظر نہ آیا تھا۔ تم چاہتے ہو کہ قیامت کے دن تمام امتِ محمدیؐ کا مطالبہ میری گردن پر رہے۔

ایسے ہی حضرت علیؓ کو بھی بیت المال کی حفاظت کا بہت اہتمام ہوتا تھا۔ آپ بیت المال کی معمولی معمولی چیزیں بھی اپنی ذات اور اپنے متعلقین پر صرف نہیں ہونے دیتے تھے۔ ایک دفعہ اصفہان سے خراج آیا تو اس میں شہد اور چربی بھی تھی۔ حضرت علیؓ کی صاحبزادی امّ کلثوم نے مانگ بھیجا تو خراج لانے والے صاحب عمرو بن سلمہ نے خاص مقدار میں دونوں چیزیں بھیج دیں۔ جب حضرت علیؓ کو پتہ چلا تو دونوں چیزیں واپس کرائیں اور جو چیز جتنی خرچ ہو چکی تھی، اس کا اندازہ لگا کر اس کی قیمت ادا کی۔

ایک دفعہ بیت المال کے نگران ابورافع نے بیت المال کا ایک موتی اپنی بیٹی کو پہنا دیا۔ حضرت علیؓ نے اسے پہچان لیا اور پوچھا کہ یہ موتی کہاں سے آیا ہے۔ میں اس کے لانے والے کے ہاتھ قلم کر دوں گا۔ ابورافع نے اپنی غلطی کا اقرار کر لیا، تو آپ نے فرمایا کہ تمہارا یہ حال ہے کہ تم اپنی بیٹی کو موتیوں سے آراستہ کرتے ہو۔ جب (حضرت) فاطمہؓ کے ساتھ میری شادی ہوئی تو میرے پاس مینڈھے کی صرف ایک کھال تھی، جس پر رات کو سوتا تھا اور دن کے وقت اسی پر مویشی کو چارہ دیتا تھا۔

دوسرے علاقوں سے جو خراج آتا تھا، اس کے بارے میں بھی بہت فکر مند رہتے تھے اور خراج بھیجنے کے ذمہ دار مسلمان افسروں سے اگر سستی

Marfat.com

یا کوتاہی ہو جاتی تو فہمائش کرتے۔ ایک دفعہ ایک ایسے ہی افسر یزید بن قلیس نے خراج بھیجنے میں تاخیر کی تو آپ نے لکھا:

"تم نے خراج بھیجنے میں تاخیر کی۔ اس تاخیر کا سبب مجھے معلوم نہیں ہوا۔ لیکن میں تمہیں خدا سے ڈرنے کی نصیحت کرتا ہوں اور تمہیں اس سے ڈراتا ہوں کہ ایسا کام نہ کرو جس سے تمہارا اجر برباد اور تمہارا جہاد باطل ہو جائے۔ خدا سے ڈرو اور اپنے نفس کو حرام مال سے پاک رکھو اور مجھے اس بات کا موقع نہ دو کہ تم سے مواخذہ کرنے پر مجبور ہو جاؤں۔"

ایک اور افسر نعمان بن عجلان بحرین کا خراج لے کر کہیں چل دیے۔ حضرت علیؓ نے انہیں لکھا:

"جس نے امانت میں خیانت کی اور اپنے نفس اور دین کو نہ بچایا، اس نے دنیا میں بھی اپنے آپ کو نقصان پہنچایا اور آخرت میں جو کچھ پیش آنے والا ہے وہ اس سے زیادہ تلخ، اس سے زیادہ بدبختانہ اور اس سے زیادہ دیرپا ہے۔ اللہ کا خوف کرو، تم صالح خاندان سے ہو، اس لیے خوش گمانی کا موقع دو۔ مجھے جو خبر ملی ہے اگر وہ صحیح ہے تو اس سے توبہ کرو اور اپنے متعلق رائے بدلنے پر مجبور نہ کرو اور خراج ادا کرو۔"

آپ مالی سختیاں سہتے رہتے تھے مگر بیت المال سے کچھ لینے کے معاملے میں ہمیشہ محتاط رہتے تھے۔ ایک دفعہ تیز سردی میں پرانی چادر اوڑھے ہوئے تھے اور سردی سے کانپ رہے تھے۔ ایک شخص نے عرض کیا کہ امیر المومنینؓ! بیت المال میں آپ کا اور آپ کے اہل و عیال کا بھی حق ہے آپ اپنے اوپر اتنی تکلیف کیوں اٹھاتے ہیں۔ فرمایا کہ میں تمہارے حقے کو نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ آپ کی مراد یہ تھی کہ اگر میں بیت المال

Marfat.com

سے اپنے حصّے سے زیادہ لوں گا تو دوسرے مسلمانوں کی حق تلفی ہوگی۔ آپ کی یہ مالی تکالیف دیکھ کر ایک دفعہ آپ کے غلام قنبر نے بیت المال سے کچھ سونے چاندی کے برتن آپ کے لیے علیحدہ کر لیے۔ جب آپ کو پتہ چلا تو فرمایا۔ "تیری ماں تجھے روئے تو میرے گھر کو اتنی بڑی آگ میں دھکیلنا چاہتا تھا۔" اور اسی وقت وہ برتن مسلمانوں میں تقسیم کر دیے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ بھی بیت المال کے معاملے میں ایسے ہی محتاط تھے اور اس کی پوری پوری حفاظت کرنے کی کوشش فرماتے تھے۔ ایک بار یمن کے بیت المال سے ایک دینار گم ہو گیا تو حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اس کے افسر کو لکھا کہ میں تمہاری امانت پر کوئی الزام نہیں لگاتا، لیکن تمہاری بے پروائی اور غفلت کو مجرم قرار دیتا ہوں۔ میں مسلمانوں کے مال کا اُن کی طرف سے مدعی ہوں، تم پر فرض ہے کہ قسم کھاؤ۔

دفتر کے لیے بیت المال سے کاغذ کے لیے رقم لی جاتی تھی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے کاغذ کی بچت کرنے کے لیے ابوبکر بن حزم کو لکھا کہ قلم کو باریک کر لو اور سطریں قریب قریب لکھو، کیونکہ میں مسلمانوں کے خزانے میں سے ایسی رقم صرف کرنا پسند نہیں کرتا جس کا فائدہ اُن کو نہ پہنچے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے دور سے پہلے شاہی خاندان کے افراد کو بیت المال سے الگ الگ مخصوص وظیفہ ملتا تھا جسے وظیفۂ خاصّہ کہا جاتا تھا۔ آپ نے اس کو کلیتہً بند کر دیا۔ ایسے ہی شعراء مدّاحانہ قصائد لکھتے تھے تو بیت المال سے انعامات ملتے تھے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اسے بھی موقوف کر دیا۔ ایک دفعہ وقت کے ایک مشہور شاعر جریر نے چند اشعار پڑھے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اسے فرمایا کہ میں

Marfat.com

کتاب اللہ میں تمہارا حق نہیں پاتا۔ اس نے کہا کہ میں مسافر بھی تو ہوں۔ اس پر آپ نے اُسے ایک رقم دی مگر وہ بیت المال سے نہ دی بلکہ اپنے پاس سے دی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے دور سے پہلے دستور تھا کہ افسر عشاء اور فجر کی نماز کو جاتے تو آدمی ساتھ ساتھ شمع لے کر چلتا اور اس کے اخراجات بیت المال سے ادا ہوتے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے یہ خرچ بھی بند کر دیا۔ اپنے معاملے میں بھی احتیاط کا یہ عالم تھا کہ رات کو بیت المال کی شمع جلا کر خلافت کا کام کرتے تھے لیکن جب کوئی ذاتی کام کرنا ہوتا تو اس شمع کو اُٹھوا دیتے اور ذاتی چراغ جلا کر کام کرتے۔

ہر جمعہ کو آپ کی خدمت میں سرکاری کاغذات پیش کیے جایا کرتے تھے۔ ایک دن جب ان کے سامنے کاغذات پیش کئے گئے تو انہوں نے بقدر ایک بالشت کے سادہ کاغذ لیا اور اُسے اپنے کام میں لائے، چونکہ لوگوں کو آپ کی دیانت کا علم تھا، جن صاحب نے کاغذات خدمت میں پیش کیے انہوں نے دل میں کہا کہ امیر المومنین سے بھول چوک ہوگئی کہ سرکاری کاغذوں میں سے کچھ کاغذ لے لیا۔ دوسرے دن حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز نے پھر وہ کاغذات منگوائے اور کچھ دیر کے بعد واپس کر دیے۔ ان صاحب نے گھر جا کر دیکھا تو جتنا کاغذ آپ ایک دن پہلے لے چکے تھے اُتنا ان کاغذات میں رکھا ہوا تھا۔

بیت المال کے مصارف سے فقراء اور مساکین کے لیے ایک مہمان خانہ قائم کیا گیا تھا۔ حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز نے حکم دے رکھا تھا کہ ہمارے غسل اور وضو کے لیے اس مہمان خانہ کے باورچی خانے سے

Marfat.com

پانی گرم نہ کیا جائے۔ ایک دن آپ کے وضو کے لیے پانی لایا گیا۔ پتہ چلا کہ یہ پانی سرکاری کوئلوں سے گرم کیا گیا ہے تو اسے استعمال نہ کیا۔ آپ کی احتیاط کا یہ عالم تھا کہ ایک دفعہ بیت المال کا مشک نکال کر آپ کے سامنے رکھا گیا تو ناک بند کر لی کہ اس کی خوشبو دماغ میں نہ پہنچے۔ پاس بیٹھے ہوئے ایک شخص نے کہا کہ اگر آپ خوشبو سونگھ لیتے تو آپ کا کیا بگڑتا۔ فرمایا کہ مشک خوشبو کے سوا اور کس فائدے کے لیے خریدا جاتا ہے۔ مراد یہ تھی کہ میں سرکاری مال سے کسی قسم کا فائدہ بھی اٹھانا جائز نہیں سمجھتا۔ اپنے ذاتی کاموں کے لیے سرکاری ڈاک کے جانوروں کو استعمال کرنا بھی ناجائز سمجھتے تھے۔ ایک دفعہ آپ کی بی بی نے ڈاک کی سواری پر ایک شخص کو روانہ کیا اور وہ دو دینار کا شہد خرید کر لایا۔ آپ کو پتہ چلا تو وہ شہد فروخت کر کے دو دینار لے لیے اور بقیہ پیسے بیت المال میں داخل کر دیے۔ ایک دفعہ آپ کے فرمانے پر آپ کا ایک غلام رِحل بنوا کر لایا۔ آپ کو پتہ چلا کہ یہ رِحل سرکاری مال خانے سے لکڑی لے کر بنوائی گئی ہے آپ نے اس رِحل کو بازار بھیج کر اس کی قیمت لگوائی تو اس کی قیمت نصف دینار لگی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ اپنے غلام سے کہنے لگے کہ اگر ہم ایک دینار بیت المال میں داخل کر دیں تو تمہارا کیا خیال ہے کہ ہم ذمہ داری سے سبکدوش ہو جائیں گے۔ غلام نے کہا کہ اس کی قیمت تو نصف دینار لگائی گئی ہے۔ مگر آپ نے فرمایا کہ جاؤ بیت المال میں دو دینار داخل کر دو۔

یہ چند واقعات ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ مثالی حکمران ملکی خزانے کے بارے میں جس دیانتداری سے کام لیتے تھے اس کے واقعات پڑھ کر اور سن کر یوں محسوس ہوتا ہے جیسے یہ واقعات نہیں، افسانے ہیں۔

Marfat.com

رعایا کی خبر گیری اور خیر خواہی

حکومت کے قیام کا اصل مقصد علاقے کے باشندوں کی خیر خواہی، خبر گیری اور انہیں ہر طرح کے فوائد پہنچانا ہوتا ہے۔ لہٰذا مثالی حکمران اپنے آپ کو رعایا کے خادم سمجھتے اور جسم و جان کی تمام توتوں سے کام لے کر رعایا کی خیر خواہی اور خبر گیری کرتے رہے ہیں۔

حضرت ابوبکرؓ نے اپنے عہد میں لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا:

"تم میں سے کمزور اس وقت تک میری نظروں میں زور آور ہے جب تک کہ میں اُسے اس کا حق نہ دلا دُوں۔ اور تم میں سے زور والا اس وقت تک میری نظروں میں کمزور ہے جب تک کہ میں اُس سے کمزور کا حق حاصل نہ کر لوں۔"

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خدمتِ خلق کا یہ عالم تھا کہ ایک بیکس خاتون کی بکریوں کا دودھ دوہ دیا کرتے تھے۔ جب آپ خلیفہ بن گئے تو اس خاتون کی بیٹی نے متفکر ہو کر کہا کہ اب ہماری بکریاں کون دوہا کرے گا۔ آپ نے سنا تو فرمایا کہ تمہاری بکریاں میں دوہا کروں گا۔ خلافت مجھے خلقِ خدا کی خدمت سے باز نہیں رکھے گی۔

آپ کے خلافت کے دوران کی بات ہے کہ مدینے کے اطراف میں ایک نابینا اور ضعیف عورت رہتی تھی۔ حضرت عمرؓ صبح صبح جا کر اس کی ضروری خدمات سرانجام دیتے تھے۔ کچھ دنوں کے بعد انہوں نے محسوس کیا کہ کوئی شخص ان سے بھی پہلے آ کر اس ضعیفہ کے کام کر جاتا ہے۔ ایک روز وہ تحقیق حال کے لیے ذرا سویرے آئے تو دیکھا کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ اس ضعیفہ کی خدمت گزاری سے فارغ ہو کر جھونپڑے سے باہر نکل رہے ہیں

Marfat.com

ہیں۔ حضرت عمرؓ نے دیکھ کر کہا "میری جان آپ پر قربان اے خلیفۂ رسولؐ، کیا آپ ہی ہر روز سبقت کر جاتے ہیں۔"

حضرت عمرؓ کو بھی اپنے زمانۂ خلافت میں رعایا کی خبر گیری کا اتنا خیال رہتا تھا کہ آپ کی زندگی کے واقعات کہانیاں معلوم ہوتے ہیں آپ کے عہد میں مسلمانوں کی دنیا کی دو اہم ترین سلطنتوں سے جنگیں ہو رہی تھیں اس لیے آپ کو بڑے اہم امور سے سابقہ رہتا تھا، تاہم رعایا کے چھوٹے چھوٹے معاملات سے بھی غفلت نہیں ہونے پاتی تھی۔ آپ نے دروازے پر دربان نہیں رکھا ہوا تھا تاکہ عام لوگوں کو آپ تک پہنچنے میں دقّت نہ ہو۔ روزانہ ہر نماز کے بعد مسجد کے صحن میں بیٹھ جاتے کہ جس جس نے جو جو کچھ کہنا سننا ہو کہہ سن لے۔ حج کے دنوں میں جب اسلامی سلطنت کے ہر حصّے سے لوگ آئے ہوتے تھے، آپ تمام حکّام کو بھی بلا لیتے تھے اور عام اعلان فرما دیتے کہ جس جس شخص کو کسی حاکم کے خلاف کوئی شکایت ہو پیش کرے۔ مدینہ منوّرہ اور اس کے اطراف میں خود گھوم پھر کر پتہ چلاتے رہتے تھے کہ لوگ کس حال میں ہیں۔

اگر رعایا پر کوئی تکلیف آتی تھی تو آپ پر کھانا اور سونا حرام ہو جاتا تھا۔ سنہ ۱۸ھ میں جب عرب میں قحط پڑا تو حضرت عمرؓ پر غم و الم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ گوشت، گھی، مچھلی وغیرہ سب لذیذ چیزیں ترک کر دیں۔ خشوع و خضوع سے دعائیں مانگتے تھے کہ خدایا میرے شامتِ اعمال کے بدلے میں امتِ محمدیؐ کو تباہ نہ کرنا۔ آپؓ کے غلام اسلم کا بیان ہے کہ قحط کے زمانے میں آپ کو جتنا غم اور پریشانی رہتی تھی اس سے یہ خطرہ تھا کہ اگر قحط رفع نہ ہوا تو وہ اسی غم میں ہلاک ہو جائیں گے۔ آپ نے دوسرے

Marfat.com

علاقوں سے کافی غلہ منگوایا اور حسن انتظام سے اسے عوام میں تقسیم کرنے کا بندوبست فرمایا۔ جب کبھی آپ سفر پہ جاتے تو ایک ایک مقام پہ ٹھہر کر وہاں کے حالات معلوم کرتے۔ ایک دفعہ آپ شام کے سفر سے واپس آرہے تھے، راستے میں ایک خیمہ نظر آیا۔ قریب گئے تو ایک بڑھیا نظر آئی۔ آپ نے اس سے پوچھا کہ کیا تمہیں عمرؓ کا حال معلوم ہے۔ بڑھیا آپ کو پہچانتی نہ تھی۔ کہنے لگی، ہاں شام سے چل چکا ہے اور پھر شکوہ کیا کہ مجھے اس کے ہاں سے کبھی ایک حبہ بھی نہیں ملا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اتنی دُور کا حال عمرؓ کو کیسے معلوم ہو سکتا ہے۔ اس بڑھیا نے کہا کہ اگر حال نہیں معلوم تو پھر خلیفہ کیوں بنا بیٹھا ہے۔ بڑھیا کی یہ بات سن کر آپ شدت تاثر سے رو پڑے۔

ایک دفعہ آپ نے سنا کہ کوئی قافلہ آکر مدینے کے باہر اُترا ہے آپ کو فکر ہوئی کہ قافلے کو کوئی نقصان نہ پہنچ جائے، چنانچہ اس کی خبر گیری اور حفاظت کے لیے خود نکل پڑے۔ وہاں آپ نے ایک بچّے کو بار بار روتے سنا۔ آپ نے اس کی ماں کو ڈانٹا تو وہ کہنے لگیں کہ تمہیں اصل واقعے کی تو خبر نہیں، خواہ مخواہ مجھے تنگ کر رہے ہو۔ بات یہ ہے کہ عمرؓ نے حکم دے رکھا ہے کہ جب تک بچہ ماں کا دودھ نہ چھوڑے بیت المال سے اس کا وظیفہ مقرر نہ کیا جائے۔ میں اس کا دودھ چھڑا رہی ہوں، یہ اس لیے روتا ہے۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ سخت متاثر ہوئے اور فرمایا: ہائے عمرؓ تو نے کتنے بچوں کا خون کیا ہوگا اور فوراً منادی کرادی کہ جس دن سے بچہ پیدا ہوگا اسی دن سے اس کا وظیفہ مقرر کر دیا جائے گا۔

ایک دفعہ آپ گشت کرتے ہوئے مدینے سے کئی میل دُور باہر نکل گئے

Marfat.com

ایک جگہ دیکھا کہ ایک عورت کچھ پکا رہی ہے اور کچھ بچے پاس بیٹھے رو رہے ہیں۔ معلوم کیا تو پتہ چلا کہ بچے کئی وقتوں سے فاقے سے تھے۔ ماں کے پاس کھلانے کو کچھ نہ تھا، اس نے ویسے ہی انہیں تسلّی دینے کے لیے خالی ہنڈیا چولہے پر چڑھا رکھی تھی۔ آپ واپس آئے بیت المال سے آٹا، گھی اور کھانے وغیرہ کی چیزیں لیں اور غلام سے کہا کہ میری پشت پر لاد دو۔ غلام نے کہا کہ میں لیے چلتا ہوں تو فرمایا کہ قیامت کے دن میرا بار تم نہیں اٹھاؤ گے۔ غرضکہ سب سامان لے جا کر عورت کو پہنچایا۔ وہ اتنی متاثر ہوئی کہ کہنے لگی کہ "امیر المؤمنین ہونے کے قابل تو تم ہو نہ کہ عمرؓ!"

آپ لاوارث بچوں کی پرورش کا بندوبست کرتے، صاحبِ مال یتیموں کے مال کی حفاظت کا اہتمام کرتے۔ لاوارثوں، محتاجوں، معذوروں کی ضروریات پوری کرنے کی سعی فرماتے اور ہر ممکن طریقے سے اپنی رعایا کو تنگی اور تکلیف سے بچانے، ان کی ضروریات پوری کرنے اور ان کی خبرگیری کرنے کے لیے کوشاں رہتے۔

عوام کی خبرگیری اور خیر خواہی کی یہ بھی ایک اہم شکل ہے کہ ایسا بندوبست کیا جائے جس سے عوام کو زندگی کی ضروریات آسانی سے حاصل ہو جایا کریں۔ حضرت علیؓ کا طریقہ تھا کہ بازار کی نگرانی، نرخ اور ناپ تول کی دیکھ بھال خود کرتے تھے۔ آپ دُرّہ لے کر بازار نکل جاتے اور بیچنے والوں کو حسنِ معاملت اور ناپ تول میں ایمانداری کی ہدایت فرماتے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے لوگوں کو خوش حالی بہم پہنچانے کے لیے اتنی کوششیں کیں کہ خیرات دینے کے لیے مستحق لوگوں کو ڈھونڈنا پڑتا تھا۔ آپ کے ایک افسر یحییٰ ابن سعید بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے مجھے افریقہ

Marfat.com

کا صدقہ وصول کرنے کے لیے بھیجا۔ میں نے صدقہ وصول کر کے فقرا کو بلایا تاکہ اُن پر صدقہ تقسیم کردوں، لیکن مجھے کوئی نہ ملا جو صدقہ لیتا۔ کیونکہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے لوگوں کو دولت مند بنا دیا تھا۔ لہٰذا میں نے صدقے کے مال سے غلام خرید کر آزاد کیے۔

آپ کے زمانے میں رعایا کی خوش حالی اس درجے کو پہنچ گئی تھی کہ آپ کے افسروں کو خطرہ پیدا ہو گیا کہ لوگ تکبّر اور نخوت میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ ایک دفعہ آپ کے ایک افسر عدی بن ارطاۃ نے آپ کو لکھا کہ بصرے کے لوگ اس قدر خوش حال ہو گئے ہیں کہ مجھے خوف ہے کہ وہ فخر و غرور نہ کرنے لگیں۔ اس پر حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے جواب دیا کہ خدا نے جب اہلِ جنّت کو جنّت میں داخل کیا تو اُن کے لیے یہ پسند فرمایا کہ الحمدللہ کہیں۔ اس لیے تم بھی لوگوں کو حکم دو کہ خدا کا شکر بجا لائیں۔ آپ نے صرف ڈھائی پونے تین برس حکومت کی، مگر اتنی تھوڑی مدت میں رعایا کی خوش حالی کا یہ عالم ہو گیا کہ لوگ بکثرت مال لے کر آپ کے افسروں کے پاس آتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ مال مفلسوں پر تقسیم کر دو، لیکن انہیں یہ مال واپس لے جانا پڑتا، کیونکہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے لوگوں کو اتنا خوش حال کر دیا تھا کہ کوئی شخص اس قابل ملتا نہ تھا جس کو یہ مال دیا جاتا۔

محمد بن قیس بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے مجھے حکم دیا کہ مستحق لوگوں میں صدقہ تقسیم کیا جائے، لیکن میں نے دوسرے سال دیکھا کہ جو لوگ صدقہ قبول کرتے تھے وہ صدقہ دینے کے قابل ہو گئے تھے۔

عوام کی خیر خواہی کا ایک اہم تقاضا یہ ہے کہ ان کے درمیان انصاف قائم کیا جائے۔ جو حکمران لوگوں کو اپنے ظلم و ستم کا نشانہ بنائے رکھتے ہیں

Marfat.com

اور عوام کو آپس میں بھی ایک دوسرے کے ظلم وستم اور بے انصافی سے بچانے کے لیے کوئی بندوبست نہیں کرتے، وہ بھی خائن ہیں۔

حضرت ابوسعیدؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کو لوگوں میں سے سب سے زیادہ محبوب اور لوگوں میں سے اللہ تعالیٰ کے سب سے زیادہ قریب بیٹھنے والا وہ حکمران ہوگا جو عادل کرتا رہا ہوگا اور لوگوں میں سے جس سے اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ بغض ہوگا اور جو لوگوں میں سے اللہ سے سب سے زیادہ دُور بیٹھا ہوگا، وہ وہ حکمران ہوگا جو ظلم وجور کرتا رہا ہوگا۔ (ترمذی)

حکمرانوں کے لیے عوام میں عدل وانصاف قائم رکھنا اتنا ضروری ہے کہ اگر کسی حکمران میں اور تو بہت سی خوبیاں ہوں گی مگر وہ رعایا پر ظلم کرتا ہوگا اور انہیں آپس میں بھی ایک دوسرے کے ظلم سے بچانے کے لیے کوئی سعی نہ کرتا ہوگا، تو اس کی دوسری خوبیاں بہت حد تک بے معنی ہو جائیں گی۔ خلیفہ ہارون الرشید نے ایک دفعہ مشہور زاہد حضرت فُضَیلؒ بن عیاض سے نصیحت کی درخواست کی۔ حضرت فضیل نے انہیں جو نصیحتیں کیں ان میں سے ایک یہ بھی تھی کہ:

"اے ہارون الرشید، میں تیرے اس حسین وجمیل چہرے سے ڈرتا ہوں کہ کہیں دوزخ کی آگ میں نہ جھلس جائے۔ یاد رکھ کہ قیامت کے دن حق تعالیٰ تجھ سے ایک ایک مسلمان کی نسبت سوال کرے گا کہ تُو نے اس سے انصاف کیا یا نہیں، یہاں تک کہ اگر کوئی بڑھیا کسی رات بھوکی سوئی ہوگی تو

Marfat.com

قیامت کے دن وہ بھی تیرا دامن پکڑے گی اور تجھ سے جھگڑا کرے گی۔ پس اس چہرے کو آگ سے بچا سکتا ہے تو بچا اور زندگی کے لیل و نہار اس طرح گزار کہ تیرے دل میں اپنی رعیّت کے بارے میں کوئی کھوٹ اور کینہ نہ ہو۔

اہل افسروں کی تقرری اور اُن کی نگرانی

عوام کی خیر خواہی کا ایک خاص تقاضا یہ ہے کہ اُن پر ایسے افسر مقرر کئے جائیں جو اپنے کام کی اہلیت اور قابلیت رکھتے ہوں کیونکہ عوام کی تکالیف کا ایک اہم سبب افسروں کی نااہلی بھی ہوتا ہے۔ اگر کسی علاقے کے لوگ اپنے افسروں کی بے انصافی اور ظلم وستم کا شکار ہو رہے ہیں تو اس بے انصافی اور ظلم وستم کا ذمہ دار وہ حکمران بھی ہے جس نے ایسے نااہل افسر مقرر کر رکھے ہیں۔

سورۃ النساء آیت ۵۸ میں مسلمانوں کو مخاطب کر کے فرمایا گیا ہے:

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓی اَھْلِھَا ۙ
"اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں اہلِ امانت کے سپرد کرو۔"

تفہیم القرآن میں اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے کہا گیا ہے:

"بنی اسرائیل کی بنیادی غلطیوں میں سے ایک یہ تھی کہ انہوں نے اپنے انحطاط کے زمانے میں امانتیں یعنی ذمہ داری کے منصب اور مذہبی پیشوائی اور قومی سرداری کے مرتبے ایسے لوگوں کو دینے شروع کر دیے جو نااہل، کم ظرف، بداخلاق، بددیانت اور بدکار تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بُرے لوگوں کی قیادت میں ساری قوم خراب ہوتی چلی گئی۔ یہاں مسلمانوں کو ہدایت کی جا رہی ہے کہ تم ایسا نہ کرنا بلکہ امانتیں اُن لوگوں کے سپرد کرنا جو اُن کے

Marfat.com

اہل ہوں یعنی جن میں بارِ امانت اٹھانے کی صلاحیت ہو۔"

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ جب امانت ضائع کی جانے لگے تو قیامت کا انتظار کرنا (پوچھنے والے نے) کہا کہ یا رسول اللہؐ، امانت کا ضائع ہونا کیسے ہوگا۔ حضورؐ نے فرمایا کہ جب کام نااہل کے سپرد کیا جانے لگے تو قیامت کا انتظار کرنا۔ (بخاری)

حضورؐ کے اس فرمان میں ایک بڑی بنیادی بات بیان کی گئی ہے، وہ یہ کہ حکومت ہو یا افسری یا کوئی اور ذمہ داری اُسے ان لوگوں کے سپرد کیا جانا چاہیے جو اس کی ذمہ داریاں پوری کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں۔ بہت سی خرابی صرف اس لیے پیدا ہوتی ہے کہ ذمّہ داریاں اُن لوگوں کے سپرد کر دی جاتی ہیں جو انہیں بحسن و خوبی انجام دینے کی صلاحیت نہیں رکھتے اس سے بگاڑ پیدا ہوتا ہے جو پھر پھیلتا پھیلتا عام ہو جاتا ہے۔ عوام کا فرض ہے کہ اپنے نمائندے چُنتے وقت ذاتوں، برادریوں اور دوسرے گھٹیا مقاصد کو نظر انداز کر کے ان لوگوں کو چنیں جو نیک نیّت، نیکوکار اور اہل ہوں۔ حکومت کے لیے ضروری ہے کہ افسریاں ان لوگوں کو دیں جو نیک چلن، دیانت دار اور قابل ہوں۔ افسروں کے لیے لازم ہے کہ ماتحت عملہ چنتے وقت سفارش اور رشوت سے بالا ہو کر ایسے لوگ چنیں جو خدا سے ڈرنے والے، قابل اور فرض شناس ہوں۔ ملک و ملّت کی فلاح سے تعلق رکھنے والی یہ ذمہ داریاں امانتیں ہیں، جب ان امانتوں کو ایسے لوگوں کے سپرد کر دیا جاتا ہے جو انہیں اٹھانے کی اہلیت سے عاری ہوتے ہیں تو وہ کبھی اپنی حرص و لالچ کے باعث اور کبھی اپنی نااہلی

Marfat.com

کے باعث اور کبھی دونوں کے باعث معاشرے میں عام بگاڑ پیدا کر دیتے ہیں۔

حضرت عمرؓ فاروق کی حکومت کی کامیابی کا ایک راز یہ بھی تھا کہ آپ حکومت کے کاموں کے لیے ایسے لوگوں کا انتخاب کرتے تھے جو اُن کاموں کو کرنے کی اہلیت رکھتے تھے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا طریقہ بھی یہی تھا کہ عہدہ دیتے ہوئے یہ دیکھ لیتے تھے کہ یہ شخص ہے کس قسم کا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ آپ نہ اس شخص کو عہدہ دیتے تھے جو عہدے کا طلبگار ہوتا تھا اور نہ اس کو جو ظالم ہو۔ افسر مقرر کرتے وقت جن اوصاف کو خصوصی طور پر دیکھا جاتا تھا، وہ قرآن و حدیث کا علم اور دیانتداری تھے۔ ظاہر ہے کہ افسروں میں یہ دو صفات ہونا انہیں عوام کے لیے رحمت بنا دیتا ہے کیونکہ قرآن و حدیث کا عالم ہونا انہیں بتاتا ہے کہ ایک مسلمان کی حیثیت سے انہیں کن باتوں کا پابند ہونا چاہیے اور کن چیزوں سے بچنا چاہیے اور دیانت داری کی صفت اُن میں وہ فرض شناسی پیدا کرتی ہے جس کی بناء پر وہ جسم و جان کی ساری قوتوں سے کام لے کر عوام کی خدمات سرانجام دیتے ہیں۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے خود فرض شناسی کی جو مثال پیش کی تھی وہ بھی افسروں کے لیے ایک نہایت اعلیٰ نمونہ تھی۔ آپ جس پابندی اور مستعدی کے ساتھ مذہبی اعمال انجام دیتے تھے اسی شوق و شغف کے ساتھ خلافت کے فرائض بھی ادا کرتے تھے۔ عام معمول یہ تھا کہ دن بھر رعایا کے معاملات اور مقدمات کے فیصلوں میں مشغول رہتے۔ عشاء کے بعد چراغ جلا کر بیٹھتے اور پھر یہی کام شروع ہو جاتا۔ اس کے بعد اہل علم

Marfat.com

اور دانا لوگوں کے ساتھ بیٹھتے اور خلافت کے امور کے بارے میں ان سے مشورے لیتے۔ جو وقت بچتا وہ عبادت گزاری اور استراحت میں صرف کرتے۔ آپ اتنی مشقّت کرتے اور اتنا مصروف رہتے کہ بعض لوگ آپ پر ترس کھاتے اور آرام کرنے کی ترغیب دیتے۔ ایک دن آپ کے ایک بھائی نے مشورہ دیا کہ کبھی کبھی سیر و تفریح کے لیے باہر نکل جایا کیجئے۔ آپ نے فرمایا کہ پھر اُس دن کا کام کیسے انجام پائے گا؟ بھائی نے کہا کہ دوسرے دن ہو رہے گا۔ آپ نے فرمایا کہ روزانہ کا کام روز انجام پا جائے تو یہی بہت ہے۔ دو دن کا کام ایک دن میں کیوں کر پورا ہو گا۔ بعض لوگوں نے آپ کے فرصت کے اوقات سے متمتع ہونے کی خواہش ظاہر کی تو فرمایا کہ فرصت کہاں، فرصت گئی، اب صرف خدا کے ہاں فرصت نصیب ہو گی! ظاہر ہے کہ جب حکمران خود اتنا فرض شناس ہو تو اس کے افسروں پر بھی اس کا اثر ضرور پڑے گا۔ خصوصاً جب یہ افسر قرآن و حدیث کے عالم اور دیانتدار ہونے ہی کی بنا پر چنے گئے ہوں اور حکمران انہیں فرض شناسی کی تلقین بھی کرتا رہتا ہو۔

اسلام حکومت کے ملازمین کو اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ وہ اپنے منصب کو لوگوں پر رُعب ڈالنے اور اپنے دبدبے کی نمائش کرنے کا ذریعہ بنائیں۔ اسلامی حکومت میں سرکاری ملازمت فخر و غرور کی چیز نہیں بلکہ خدمت گزاری کا ذریعہ ہے۔ لہٰذا اس کی ذمہ داریوں کے بار سے گردن دب جانی چاہیے نہ کہ اُلٹی اکڑ جائے۔ یہی وجہ تھی کہ نیکوکار حکمران اپنے افسروں کی نگرانی رکھنا اپنا فرض سمجھتے تھے اور انہیں فرض شناسی، عوام کی خدمت اور اپنے اختیارات کو غلط طور پر استعمال کرنے سے بچنے کی

Marfat.com

تلقین کرتے رہتے تھے۔

ایک دن حضرت عمرؓ منبر پر چڑھے اور ایک بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا۔ اس میں ان لوگوں کو جنہیں اسلامی سلطنت کے مختلف حصّوں میں حاکم بنا کر بھیجا گیا تھا، مخاطب کر کے فرمایا:

"اچھی طرح سُن لو کہ میں نے تمہیں ظالم اور جبّار بنا کر نہیں بھیجا۔ میں نے تو تمہیں ہدایت کے رہنما بنا کر بھیجا ہے کہ لوگ تمہارے ذریعے سے سیدھی راہ پائیں پس فیاضی کے ساتھ مسلمانوں کے حقوق دو۔ نہ اُن کو مارو کہ وہ ذلیل ہو جائیں نہ اُنکی مدح و ستائش کرو کہ انہیں تمہارے ساتھ گرویدگی نہ پیدا ہو، نہ اُن کے سامنے اپنے دروازے بند رکھو کہ قوی ضعیف کو نگل جائے، اپنے کو اُن پر ترجیح دے کر ان پر ظلم نہ کرو، ان کے ساتھ جہالت اور سختی سے پیش نہ آؤ، ان کے ذریعے کفّار سے جہاد کرو، مگر مسلمانوں پر ان کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہ ڈالو۔ اگر وہ تھک جائیں تو رُک جاؤ۔"

پھر عام مسلمانوں سے مخاطب ہو کر فرمایا:

"مسلمانو، تم گواہ رہو کہ میں نے ان حکّام کو صرف اس لیے بھیجا ہے کہ لوگوں کو دین کی تعلیم دیں، ان پر مالِ غنیمت تقسیم کریں، ان میں عدل قائم کریں اور ان کے مقدمات کے فیصلے کریں اور اگر کوئی مشکل مسئلہ پیش آ جائے تو میرے سامنے پیش کریں۔"

حضرت علیؓ بھی وقتاً فوقتاً اپنے افسروں کو عدل قائم کرنے اور عوام کے ساتھ لطف و شفقت سے پیش آنے کے احکام بھیجتے رہتے تھے۔ ایک افسر کو لکھا:

Marfat.com

"تم لوگوں کے ساتھ عجز و انکساری کے ساتھ پیش آیا کرو، ان سے نرمی کا رویہ اختیار کیا کرو اور اپنے سلام و کلام میں اور مشوروں اور گفتگوؤں میں ان کے برابر رہا کرو۔ بڑے اور با اثر لوگ تم سے بے انصافی کا لالچ نہ رکھیں اور کمزور تمہارے عدل سے نا اُمید نہ ہوں۔"

ایک افسر کے سیر و شکار میں مصروف رہنے اور فرائض منصبی سے غفلت برتنے کا حال معلوم ہوا تو لکھ بھیجا:

"مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم سیر و شکار کو نکل جاتے ہو اور کتوں سے کھیلتے ہو۔ اگر یہ صحیح ہے تو میں تمہیں اس کا بدلہ دوں گا۔" چنانچہ طلب کر کے معزول کر دیا۔

ایک اور افسر کے متعلق شکایات پہنچیں تو اسے ایک طویل خط لکھا، جس کا کچھ حصہ درج ذیل ہے:

"مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم عیش و تنعّم کی زندگی بسر کرتے ہو۔ بخورات اور روغنیات کا زیادہ استعمال کرتے ہو۔ تمہارے دسترخوان پر رنگ برنگ کی نعمتیں ہوتی ہیں۔ منبر پر تم صدیقین کا وعظ کہتے ہو اور خلوت میں اہلِ اباحت کا عمل ہے۔ اگر یہ شکایتیں صحیح ہیں تو تم نے اپنے نفس کو نقصان پہنچایا اور مجھے تادیب پر مجبور کیا۔"

تحریری باز پرس کے علاوہ کمشن مقرر کر کے افسروں کے اعمال کی تحقیقات کرواتے تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ حضرت کعبؓ بن مالک انصاری کو عراق کے حکام کی تحقیقات پر مامور فرمایا اور ہدایت دی کہ کچھ لوگوں کو ساتھ لے جائیں اور ہر ہر ضلع میں جا کر وہاں کے افسروں کی تحقیقات کریں۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا قاعدہ تھا کہ بات بات پر افسروں کو

Marfat.com

ہدایتیں کرتے اور احکام بھیجتے رہتے تھے اور انہیں کام کرنے کی ترغیب دیتے اور ڈراتے رہتے تھے۔ تمام افسروں کو عدل و انصاف سے کام لینے کا تاکیدی حکم تھا۔ ایک حاکم نے درخواست بھیجی کہ ہمارا شہر ویران ہو گیا ہے، کچھ مال مرحمت فرمایئے تاکہ اس کی مرمت کر لیں۔ اس کو جواب میں لکھا کہ "اسے عدل سے قلعہ بند کرو۔ اس کے راستوں سے ظلم ہٹا کر انہیں صاف کر دو۔ یہی اس کی مرمّت ہے۔"

ایک اور افسر کو لکھا۔ "مسلمانوں کے خون سے اپنا ہاتھ خشک، ان کے مال سے اپنا پیٹ خالی اور ان کی عزت سے اپنی زبان کو محفوظ رکھو۔ اگر تم نے ایسا کر لیا تو تم پر کوئی اعتراض نہیں۔ اعتراض ان لوگوں پر ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں۔"

آپ کو افسروں کے عوام کے حقوق ادا نہ کرنے کے بارے میں اتنی فکر رہتی تھی کہ ایک دفعہ رباح بن عبیدہ اپنے کسی کام سے عراق گئے تو حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے انہیں فرمایا کہ عراق کے لوگوں کا حال معلوم کرنا اور پتہ لینا کہ حاکموں اور افسروں کا ان کے ساتھ کیسا سلوک ہے۔ انہوں نے پتہ لیا تو لوگوں نے حاکموں اور افسروں کی تعریف کی۔ واپس آ کر حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو بتایا تو انہوں نے سن کر خدا کا شکر ادا کیا اور فرمایا کہ اگر تم نے اس کے خلاف خبر دی ہوتی تو میں ان کو معزول کر دیتا۔"

اپنے معاملے میں آپ کا یہ حال تھا کہ بیت المال سے اتنا کم وظیفہ لیتے تھے کہ تنگی سے گزارا ہوتا تھا۔ مگر افسروں کو بڑی بڑی تنخواہیں دیتے تھے۔ اس پر اعتراض ہوا تو فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ انہیں معاش اور اہل و عیال کے جھگڑوں سے آزاد کر دوں۔ مراد یہ تھی کہ افسر لوگ مالی تنگی سے آزاد ہو کر پوری یکسوئی

Marfat.com

سے عوام کی خدمت کریں۔

اشاعتِ اسلام

ایک مسلمان حکمران کی ذمہ داریوں میں سے ایک اہم ذمہ داری یہ ہے کہ وہ مسلمان باشندوں کی دینی تعلیم و اصلاح کا بندوبست کرے اور غیر مسلموں میں اسلام کی اشاعت کی سعی کرے۔

حضرت عمر فاروق رضؓ نے اس سلسلے میں بھی بہت خدمات انجام دیں۔ تمام مفتوحہ ملکوں میں قرآن کی تعلیم کے لیے مکتب قائم کیے اور تنخواہ دار معلّم مقرر کیے۔ ان مکتبوں میں کتابت کی تعلیم بھی دی جاتی تھی۔ بدّوؤں کے لیے قرآن کی تعلیم ایک گونہ جبری تھی۔ ایک معلّم ابو سفیان کو چند آدمیوں کے ساتھ اس کام پر مقرر کیا گیا تھا کہ قبائل میں پھر پھر کر ہر شخص کا امتحان لے اور جسے قرآن کا کوئی حصّہ یاد نہ ہو اسے سزا دے۔ سورۂ بقرہ، سورۂ نساء، سورۂ مائدہ، سورۂ حج اور سورۂ نورؔ میں احکام ہیں۔ لہٰذا ان سورتوں کا یاد کرنا ضروری قرار دیا۔ قرآن کے طلبہ کے وظائف مقرر فرمائے۔

اشاعتِ دین کے لیے آپ نے کئی ذرائع اختیار کیے۔ لہٰذا آپ کے عہد میں غیر مسلموں میں اسلام کی بڑی اشاعت ہوئی۔ اشاعت دین کی سب سے بڑی تدبیر یہ ہے کہ غیر مسلموں کے سامنے اسلام کا ایسا عملی نمونہ پیش کیا جائے جسے دیکھ کر وہ خود بخود اسلام کی طرف مائل ہوں۔ اشاعتِ اسلام کے سلسلے میں حضرت عمر رضؓ کا اصلی کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے اپنی تعلیم و ارشاد اور احتساب سے مسلمانوں کو اسلام کی ایسی تصویر بنا رکھا تھا جسے دیکھ کر غیر قومیں خود بخود اسلام کی طرف کھنچتی تھیں۔ مصر کے ایک شہر شطاء کا ایک معزّز رئیس مسلمانوں کے حالات سن کر ہی اسلام کا گرویدہ ہو گیا اور دو

Marfat.com

ہزار آدمیوں کے ساتھ اسلام قبول کر لیا۔ شام کی فتوحات میں رومیوں کا سفیر جارج اسی اثر کے باعث مسلمان ہو گیا۔ غرضکہ عہد فاروقیؓ میں بکثرت غیر مسلم قوموں میں اسلام کی اشاعت ہوئی۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے عوام کو اپنا جو دیندارانہ نمونہ دکھایا اور عوام کے از سر نو دین کی طرف مائل ہونے کے لیے جو کوششیں فرمائیں اس کا نتیجہ ایک راوی کی ذیل کی روایت سے واضح ہو جاتا ہے۔ آپ سے پہلے عبدالملک کے دو بیٹے ولید بن عبدالملک اور سلیمان بن عبدالملک یکے بعد دیگرے خلیفہ بنے تھے۔ راوی بیان کرتا ہے:

"ولید عمارات وغیرہ کا بانی تھا اور اس کے زمانے میں لوگ باہم ملتے تھے تو صرف عمارات ہی کا حال پوچھتے تھے۔ سلیمان کھانے والا اور نکاح کرنے والا بادشاہ تھا۔ اس کے عہد میں لوگ صرف شادی اور کنیزوں کا چرچا کرتے تھے، مگر جب حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ خلیفہ ہوئے تو باہمی ملاقات میں ایک شخص دوسرے شخص سے پوچھتا تھا کہ "رات کو تم کونسا وظیفہ پڑھتے ہو؟ تم نے کتنا قرآن یاد کیا ہے؟"، "تم قرآن کب ختم کرو گے اور کب ختم کیا تھا؟"، "تم مہینے میں کتنے روزے رکھتے ہو؟" آپ نے لوگوں کے عقائد اور اعمال دونوں کی اصلاح کی کوشش کی اور دین کا اتنا چرچا ہو گیا کہ گویا ان کا عہد بنو امیّہ کے عہد کا حصّہ نہیں تھا بلکہ خلافت راشدہ کے عہد کا حصّہ تھا۔

آپ کے متعلق لکھا جاتا ہے کہ آپ کو فوجی سرگرمیوں میں اتنی دلچسپی نہیں تھی جتنی اشاعتِ اسلام میں تھی۔ آپ کے عہد میں بنو امیّہ کی سلطنت ایشیا، افریقہ اور یورپ تینوں براعظموں میں پھیلی ہوئی تھی اور آپ کی کوششوں سے

Marfat.com

ہر جگہ توحید کا غلغلہ بلند ہو رہا تھا۔ آپ مختلف حکمرانوں کو اسلام کی دعوت دیتے تھے اور بسا اوقات وہ لوگ اسلام قبول کر لیتے تھے۔ مشہور مورخ علاّمہ بلاذری نے لکھا ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ماوراء النہر کے غیر مسلم بادشاہوں کو اسلام کی دعوت دی اور ان میں سے بعض نے اسلام قبول کر لیا۔ سندھ کے حکمرانوں کے نام دعوت نامہ ارسال کیا تو وہ لوگ چونکہ آپ کے اخلاق سے واقف تھے، اس لیے بہت سے حکمرانوں نے اسلام قبول کر لیا اور اپنے نام عربی رکھ لیے۔

بنو امیہ کے گورنر حجاج بن یوسف نے ایک غیر اسلامی حرکت شروع کر رکھی تھی۔ وہ یہ کہ جب کوئی شخص مسلمان ہو جاتا تھا تب بھی وہ اس پر وہ جزیہ عائد کئے رہتا تھا جو اسلام کی رو سے صرف غیر مسلم رعایا ہی سے لیا جا سکتا ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اس غلط طریقے کو موقوف کر دیا، تو لوگ اس کثرت سے مسلمان ہوئے کہ حکومت کی آمدنی میں دفعتاً غیر معمولی کمی ہو گئی۔ افسروں نے اس طرف توجہ دلائی تو حضرت عمر بن عبدالعزیز رح نے جواب لکھا کہ "محمد صلی اللہ علیہ وسلّم کو خدا نے داعئ اسلام بنا کر بھیجا تھا، تحصیلدار بنا کر نہیں بھیجا تھا۔" مراد یہ تھی کہ حضورؐ اسلام پھیلانے آئے تھے، جزیہ وصول کرنے نہیں آئے تھے۔

ایسے ہی ایک اور حاکم نے لکھ بھیجا کہ لوگ اس کثرت سے اسلام لا رہے ہیں کہ مجھے خراج میں کمی واقع ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ آپ نے جواب دیا کہ میری یہ خواہش ہے کہ تمام لوگ مسلمان ہو جائیں اور ہماری اور تمہاری حیثیت صرف ایک کاشت کار کی رہ جائے کہ اپنے ہاتھ کی کمائی کھائیں۔

Marfat.com

کنبہ پروری سے پرہیز

کنبہ پروری سے یہاں مراد یہ ہے کہ حکمران یا عہدیدار لوگ اپنے عہدوں کی بنا پر اپنے رشتے داروں کو غلط قسم کے فوائد پہنچائیں اور حقداروں کے حقوق غصب کر کے اپنے رشتے داروں کو دیں۔ اپنے متعلقین میں سے بھی انسان کو سب سے زیادہ اولاد پیاری ہوتی ہے اور عام دنیادار حکمرانوں نے ہمیشہ یہی کوشش کی کہ جو اختیارات انہیں حاصل ہیں وہ ان کی اولاد تک ضرور جائیں مگر اسلام کا نقطۂ نگاہ یہ ہے کہ امت کا سربراہ وہ بنے جو سربراہ بننے کی اہلیت رکھتا ہو۔ ایسے یہ کوئی ضروری نہیں کہ ایک اہل انسان کا بیٹا بھی اہل ہو۔ لہٰذا نیکو کار حکمرانوں نے اپنی حکومت کو اپنی اولاد کے حوالے کرنے سے ہمیشہ پرہیز کی۔ حضرت عمرؓ کے صاحبزادے حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ اپنے اوصاف کے لحاظ سے جلیل القدر انسانوں میں سے تھے۔ مگر حضرت عمرؓ نے انہیں ان چھ صحابہؓ میں بھی نہ رکھا جن کے بارے میں انہوں نے وصیت فرمائی تھی کہ میرے بعد یہ لوگ آپس میں سے کسی کو خلیفہ چن لیں۔ ایسے ہی آپ نے جب مسلمانوں کے وظیفے مقرر فرمائے تو مہاجر اولین میں سے ہر ایک کے لیے چار چار ہزار سالانہ وظیفہ رکھا، مگر اپنے صاحبزادے حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ کا ساڑھے تین ہزار مقرر کیا۔ آپ سے کہا گیا کہ جب وہ بھی مہاجر ہیں تو آپ نے ان کا وظیفہ کم کیوں رکھا۔ تو آپ نے فرمایا کہ اُس نے تو اپنے ماں باپ کے ساتھ ہجرت کی تھی۔ آپ کی مراد یہ تھی کہ حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ ان کی مانند نہیں جنہوں نے تنہا ہجرت کی تھی۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کبھی اپنے کسی رشتے دار کو حاکم یا افسر مقرر

Marfat.com

نہیں کرتے تھے اور اپنے بیٹوں میں سے کسی کو کبھی کوئی عہدہ نہ دیا ایک دن آپ نے تمام بیٹوں کو جمع کر کے پوچھا کہ کیا تمہیں یہ پسند ہے کہ میں تم میں سے ہر ایک کو ایک ایک صوبے کا گورنر بنا دوں اور تم چلو تو تمہارے ساتھ ڈاک کا گھنگھرو بجتا ہوا چلے۔ بیٹے بھی باپ کو خوب جانتے تھے۔ ایک صاحبزادے نے کہا کہ جو کام آپ نے کرنا ہی نہیں اس کے بارے میں سوال کیوں کر رہے ہیں۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ تم دیکھتے ہو کہ میرا یہ فرش پرانا ہو چلا ہے مگر میں اس کو پسند نہیں کرتا کہ تم اسے اپنے موزوں سے میلا کرو، تو پھر تم کو اپنا دین کیونکر حوالے کر دوں کہ ہر صوبے میں اس کو گرد آلود کرو۔

غیر مسلم رعایا کے حقوق کا خیال

متقی مسلمان حکمران اس معاملے میں بہت فکرمند ہوتے تھے کہ ان کی غیر مسلم رعایا کو کوئی تکلیف نہ پہنچے۔ حضرت عمر فاروق رضؓ نے تمام مفتوحہ ممالک کے باشندوں کے جان، مال، عزت اور مذہب کو تحفظ دیا۔ اسلامی سلطنت کے غیر مسلم لوگوں کو ذمّی یا اہل الذمہ کہا جاتا ہے۔ جس کا مطلب یہی ہے کہ اسلامی حکومت نے ان کی جان، مال اور عزت کی حفاظت کا ذمہ لیا ہوتا ہے۔ اس کے عوض انہیں ایک ٹیکس دینا ہوتا ہے جسے جزیہ کہا جاتا ہے۔ جب بیت المقدس فتح ہوا تو حضرت عمر رضؓ نے وہاں کے عیسائیوں کو از روئے معاہدہ جو حقوق دیے وہ یہ تھے:

"یہ وہ امان ہے جو خدا کے غلام امیر المومنین عمر رضؓ نے اہل ایلیا کو دی۔ یہ امان جان، مال، گرجا، صلیب، تندرست، بیمار اور ان کے

Marfat.com

تمام اہل مذہب کے لیے ہے۔ نہ ان کے گرجا میں سکونت اختیار کی جائے گی، نہ وہ ڈھائے جائیں گے، نہ ان کے احاطہ کو نقصان پہنچایا جائے گا، نہ ان کی صلیبوں اور ان کے مال میں کچھ کمی کی جائے گی۔ مذہب کے بارے میں ان پر جبر نہیں کیا جائے گا، نہ ان میں سے کسی کو کوئی نقصان پہنچایا جائے گا۔"

آپ کو غیر مسلم رعایا کا اتنا خیال رہتا تھا کہ اپنے زمانے میں اپنے بعد ہونے والے خلیفہ کے لیے جو ہدایت نامہ لکھا تھا ان میں ذمّیوں کے حقوق کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرمایا تھا کہ:

"میں ان لوگوں کے حق میں جنہیں خدا اور رسولؐ کا ذمّہ دیا گیا ہے، یہ وصیت کرتا ہوں کہ ان سے جو عہد کیا گیا ہے اسے پورا کیا جائے، ان کی حمایت میں لڑا جائے اور ان کی طاقت سے زیادہ انہیں تکلیف نہ دی جائے۔"

حضرت علیؓ ایرانیوں کے ساتھ اتنا حسنِ سلوک کرتے تھے کہ وہ لوگ کہتے تھے کہ "اس عربی نے تو نوشیرواں کی یاد تازہ کر دی"۔

ایک دفعہ ذمّیوں کی ایک نہر پٹ گئی۔ آپ نے وہاں کے مسلمان حاکم کو لکھا:

"تمہارے علاقے کے ذمّیوں نے درخواست دی ہے کہ ان کی نہر پٹ کر مٹ گئی ہے جس کا بنانا مسلمانوں کا فرض ہے۔ تم اسے دیکھ کر درست کرا کے آباد کر دو۔ مجھے ان کا آباد رہنا زیادہ پسند ہے بہ نسبت اس کے کہ وہ ملک سے نکل جائیں یا عاجز و درماندہ ہو جائیں یا ملک کی بھلائی میں حصہ لینے کے قابل نہ رہیں۔"

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے جس طرح ذمّیوں کے حقوق کی حفاظت

Marfat.com

کی اس کی مثال خلافتِ راشدہؓ کے سوا اور کسی دور میں نہیں ملتی۔ ایک دفعہ کسی مسلمان نے کسی ذمّی کا گھوڑا بیگار میں پکڑ لیا اور اس پر سواری کی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اس مسلمان کو چالیس کوڑے لگوائے۔

ایک بار کسی مسلمان نے کسی ذمّی کو قتل کر دیا۔ آپ نے قاتل کو مقتول کے وارث کے حوالے کروا دیا، جس نے اسے قتل کر دیا۔

آپ اپنے افسروں کو ہدایات بھیجتے رہتے تھے کہ ذمّیوں کے ساتھ نرمی کی جائے۔ جزیے کی وصولی کے بارے میں بھی بہت زیادہ نرمی سے کام لیتے تھے۔ ایک دفعہ ایک شخص نے آپ سے کہا کہ آپ کے زمانے میں بازار کا نرخ گراں ہے۔ پہلے خلفاء کے زمانے میں ارزاں ہوتا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ وہ لوگ ذمّیوں پر سختی کرتے تھے، لہٰذا وہ جس نرخ پر بھی ہو سکتا تھا، اپنا غلّہ فروخت کر ڈالتے تھے اور میں ہر شخص کو اسی قدر تکلیف دیتا ہے جس کا وہ متحمل ہو سکے۔ اس لیے ہر شخص جس طرح چاہتا ہے اپنا غلّہ فروخت کرتا ہے۔

رعایا کو حقِ تنقید دینا

خلیفہ بننے کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے جو پہلی تقریر کی اس میں لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا:

"لوگو، میں تمہارا حاکم بنایا گیا ہوں، اگرچہ میں تم سے بہتر نہیں ہوں۔ اگر میں نیک کام کروں تو میری مدد کرنا اور اگر میں غلط کام کروں تو مجھے ٹوک دینا۔"

کوئی حکمران ہو یا کوئی اعلیٰ سرکاری افسر یا کوئی اور ذمہ دار شخص اس کے لیے کوئی غلط بات کہہ دینا یا غلط پالیسی بنا لینا یا غلط کام کر

Marfat.com

جانا عین بشریت کا تقاضا ہے۔ اس لیے جو لوگ حکمران بن جائیں انہیں یاد رکھنا چاہیے کہ حکمران ہونے کے باوجود وہ ہیں بشر ہی اور کسی وقت بھی کوئی غلطی کر سکتے ہیں اور چونکہ ان کی حیثیت بڑی ذمہ دارانہ ہے اس لیے عین ممکن ہے کہ اُن کی اس غلطی کے باعث ہزاروں لاکھوں بلکہ کروڑوں انسان تکلیف کا شکار ہو جائیں۔ لہٰذا یہ بات خود انہیں کے حق میں جاتی ہے کہ وہ اپنے آپ کو تنقید سے بالا نہ سمجھیں بلکہ لوگوں کو اتنی آزادیٔ رائے دیں کہ وہ انہیں ان کی غلطیوں پر ٹوک سکیں۔ جو لوگ حکمرانی کو شان و شکوہ، دبدبہ، اکڑ اور تکبر و غرور کی بنیاد نہیں بناتے بلکہ اسے عوام کی خدمت گزاری کا ذریعہ سمجھتے ہیں وہ بلکہ اس بات کے خواہشمند ہوتے ہیں کہ انہیں ان کی غلطیوں سے آگاہ کیا جاتا رہے۔

ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے حاضرین کو مخاطب کر کے فرمایا "صاحبو، اگر میں دنیا کی طرف جھک جاؤں تو تم لوگ کیا کرو گے"؟ ایک شخص کھڑا ہو گیا اور تلوار نیام سے نکال کر بولا کہ "ہم آپ کا سر اڑا دیں گے"! حضرت عمرؓ نے اُسے آزمانے کے لیے ڈانٹ کر فرمایا "کیا تو میری شان میں یہ لفظ کہتا ہے"؟ اس شخص نے کہا کہ "ہاں، ہاں، آپ کی شان میں"! اس پر حضرت عمرؓ بولے "الحمدللہ، ہماری قوم میں ایسے لوگ موجود ہیں جو مجھے کج ہوتے دیکھیں گے تو سیدھا کر دیں گے"۔

ایک موقع پر ایک شخص نے حضرت عمرؓ کو مخاطب کر کے بار بار کہا کہ "اے عمرؓ، خدا سے ڈرو"! حاضرین میں سے ایک شخص نے اُسے روکا اور کہا کہ اب بس بھی کرو۔ مگر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ "اسے کہنے دو۔ اگر یہ لوگ کچھ نہ کہیں تو یہ بے مصرف ہیں اور اگر ہم لوگ نہ مانیں تو ہم بے کار ہیں"۔

Marfat.com

ایک دفعہ مسلمانوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا "اے مسلمانو، میرے اوپر تمہارے کئی حقوق ہیں جن کے بارے میں تمہیں مجھ سے باز پرس کرنی چاہیے۔ ایک تو یہ کہ ملک میں جو خراج اور مال غنیمت وصول ہوتا ہے وہ کہیں رُکنے نہ پائے یعنی باقاعدگی سے وصول ہوتا رہے۔ دوسرے یہ کہ جب یہ رقم میرے ہاتھ میں آجائے تو بے جا طور پر خرچ نہ ہونے پائے۔ تیسرے یہ کہ بڑھتی ہوئی آمدنی سے تمہارے وظیفوں میں اضافہ کیا جائے اور سرحدوں کی حفاظت کی جائے تاکہ تمہاری سلامتی کو کوئی خطرہ لاحق نہ ہو۔"

سادگی، تقویٰ اور خوفِ آخرت

جہاں اختیارات زیادہ ہوں وہاں بہک جانے کے خطرات بھی اتنے ہی زیادہ ہوتے ہیں۔ ایسی صورت میں سیدھی راہ پر قائم رکھنے والی چیز صرف خدا کا خوف اور آخرت کے بُرے انجام کا ڈر ہوتا ہے۔ ہم دیکھ سکتے ہیں کہ جن حکمرانوں کے دلوں میں یہ دو چیزیں موجود تھیں، وہ بے پناہ اختیارات رکھتے ہوئے بھی سیدھی راہ پر گامزن رہے اور سیدھی راہ پر گامزن ہونے کے باوجود لرزاں و ترساں ہی رہے کہ خدا معلوم کل ہمارا انجام کیا ہوگا۔ ان متقی لوگوں کی ایک نمایاں خصوصیت یہ تھی کہ وہ اپنی ذات پر کم سے کم خرچ کرتے تھے اور انتہائی سادہ زندگی بسر کرتے تھے کیونکہ آخرت کی جوابدہی کا احساس انہیں اس بات کی اجازت نہیں دیتا تھا کہ قومی خزانے میں سے ناگزیر ضروریات کے سوا کوئی اور خواہش بھی پوری کریں۔ شاہ معین الدین حضرت عمر فاروق رضؓ کی سادگی کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

Marfat.com

"آپؓ کی زندگی کا ایک رُخ یہ ہے کہ روم و ایران پر فوجیں بھیج رہے ہیں۔ قیصر و کسریٰ کے سفیروں سے معاملہ درپیش ہے۔ خالدؓ بن ولید اور امیر معاویہؓ سے بازپرس ہو رہی ہے۔ فاتح مصر و ایران کے نام فرامین جاری ہو رہے ہیں اور دوسرا رُخ یہ ہے کہ بدن پر پیوند لگا کرتہ ہے۔ سر پر پھٹا ہوا عمامہ، پاؤں میں بوسیدہ چپل۔ اسی حالت میں بیوہ عورتوں کے گھروں میں پانی بھرنے کے لیے کاندھے پر مشک ہے یا کسی وقت کام سے تھک کر مسجد کے گوشے میں فرش خاک پر نیند آ گئی ہے"۔

یہ نیکوکار لوگ اچھی طرح جانتے تھے کہ اصلی عزت کیا ہوتی ہے اور کن اسباب کی بناء پر حاصل ہوتی ہے۔ شام کی طرف مسلمانوں کی فوجیں لڑ رہی تھیں۔ ایک دفعہ آپ نے وہاں کا سفر کیا۔ وہاں کے مسلمانوں نے سوچا کہ عیسائی مسلمانوں کے امیرالمؤمنین کو ایسی معمولی حالت میں دیکھ کر کیا کہیں گے۔ جب آپ پہنچے تو انہوں نے ترکی گھوڑا اور قیمتی لباس پیش کیا۔ مگر آپ نے فرمایا کہ "خدا نے ہمیں جو عزت دی ہے وہ اسلام کی عزت ہے اور وہی ہمارے لیے کافی ہے"۔

خشیت الٰہی کا یہ عالم تھا کہ فرماتے تھے کہ اگر آسمان سے ندا آئے کہ ایک انسان کے سوا باقی سب لوگ جنتی ہیں تو مجھے خوف ہوگا کہ وہ ایک شاید میں ہی ہوں۔

آخرت کا ڈر اتنا تھا کہ ایک دفعہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے فرمایا: کیوں ابو موسیٰؓ، کیا تم اس بات پر راضی ہو کہ ہم لوگ اسلام، ہجرت اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت کے طفیل برابر برابر چھوٹ جائیں۔ نہ ہمیں عذاب ملے نہ ثواب۔ انہوں نے کہا کہ میں تو اس پر راضی نہیں ہوں۔ ہم لوگوں نے

Marfat.com

نیکیاں کی ہیں اور اس کے صلے کی امید رکھتے ہیں۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ اس ذات کی قسم، جس کے ہاتھ میں عمرؓ کی جان ہے کہ میں تو صرف اسی قدر چاہتا ہوں کہ میں بے مواخذہ چھوٹ جاؤں۔ آپ آخرت کے انجام سے اتنا ڈرتے تھے کہ ایک دفعہ راستے سے ایک تنکا اٹھا کر فرمایا: "کاش میں بھی خس و خاشاک ہوتا، کاش میں پیدا ہی نہ کیا جاتا، کاش میری ماں مجھے نہ جنتی۔"

حضرت علیؓ پر غربت و امارت کے دور گزرے مگر کسی دور میں بھی دنیا کی زیب و زینت کی طرف آنکھ نہیں اٹھائی۔ آپ کی زندگی سادگی کا نمونہ تھی۔ زمانۂ خلافت میں تنہا بازاروں میں گھومتے پھرتے۔ بھولے بھٹکوں کو راستہ بتاتے، کمزوروں اور ناتوانوں کی مدد کرتے، تاجروں اور دکانداروں کو ذیل کی آیت سناتے۔

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا ۭ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝ (القصص ۸۳)

"وہ آخرت کا گھر تو ہم ان لوگوں کے لیے مخصوص کر دیں گے جو زمین میں اپنی بڑائی نہیں چاہتے اور نہ فساد کرنا چاہتے ہیں اور انجام کی بھلائی متقین ہی کے لیے ہے۔"

حضرت عمر بن عبدالعزیز رح کے حالات زندگی میں لکھا ہے کہ خلیفہ بننے سے پہلے نہایت عمدہ لباس پہنتے، نہایت عمدہ خوشبو لگاتے اور راہ میں اکڑتے ہوئے چلتے، مگر خلیفہ بننے کے بعد احساس ذمہ داری اور آخرت کی جواب دہی کے خیال سے ایک دم درویش ہو گئے۔ خلیفہ بننے سے پہلے وہ مدینہ منورہ کے گورنر بھی رہ چکے تھے۔ گورنری کے زمانے میں گورنر لگتے تھے مگر جب خلیفہ بنے تو سادگی کا یہ عالم ہو گیا کہ کوئی

Marfat.com

نہیں جان سکتا تھا کہ وہ خلیفہ ہیں۔ آپ کا اپنا بیان ہے کہ خلافت سے پہلے جب لوگ میرے کپڑوں کو دیکھ لیتے تھے، تو میں سمجھتا تھا کہ اب یہ لباس پرانا ہو گیا ہے۔ مگر جب آپ اتنی بڑی سلطنت کے حکمران ہو گئے تو ایسے وقت بھی آئے کہ صرف ایک ہی جوڑا ہوتا تھا اور اسی کو دھو دھو کر پہنا جاتا تھا۔ ایک دفعہ ایک چادر چھ مہینے تک پہنی۔ ہر جمعے کو اسے دھویا جاتا تھا اور زعفران کا رنگ دے دیا جاتا تھا۔

آخرت کے خوف سے لرزاں رہتے تھے۔ آپ نے بنوامیہ کی وہ جائدادیں ضبط کر لی تھیں، جن پر انہوں نے ناجائز طور پر قبضہ کیا ہوا تھا! آپ کی پھوپھی نے کہا ..... کہ کہیں ایسے نہ ہو کہ وہ سب بغاوت کر دیں۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ اگر میں قیامت کے سوا کسی اور دن سے ڈروں تو خدا مجھے قیامت کے دن سے نہ بچائے۔ پھر آگ پر ایک اشرفی گرم کی جب وہ خوب سرخ ہو گئی تو اسے گوشت کے ایک ٹکڑے پر رکھ دیا جس سے وہ بھن گیا اور پھوپھی سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ پھوپھی جان، اپنے بھتیجے کے لیے اس عذاب سے ڈریئے۔ مراد یہ تھی کہ اگر میں لوگوں سے ڈر کر غلط کام کروں گا تو میرا یہ انجام ہو گا۔ عام معمول یہ تھا کہ عشاء کے بعد اپنی مسجد میں بیٹھ کر دعائیں کرتے اور روتے جاتے یہاں تک کہ آنکھ لگ جاتی۔ پھر آنکھ کھلتی تو یہی مشغلہ جاری ہو جاتا۔ یہاں تک کہ دوبارہ سو جاتے اور ایسے ہی رات گزر جاتی۔ ::

Marfat.com

سرکاری ملازمین کی دیانت

کسی علاقے کے بندوبست کی عمدگی اور وہاں کے باشندوں کے حقوق کا پورا ہونا بہت حد تک علاقے کے سرکاری ملازموں کی اہلیت، قابلیت اور فرض شناسی پر منحصر ہوتا ہے۔ علاقوں کے حکمران جو جو کام وسیع پیمانوں پر کرتے ہیں، عموماً وہی کام سرکاری ملازم نسبتاً چھوٹے پیمانے پر انجام دیتے ہیں۔ لہٰذا سرکاری ملازموں کے لیے بھی ضروری ہے کہ پوری پوری دیانتداری سے اپنے فرائض سرانجام دیں اور ان کے دیانت دار ہونے کے تقاضے بھی یہی ہیں کہ:

۱۔ وہ فرض شناس ہوں یعنی اپنے حصّے کا کام پوری محنت اور توجہ سے کریں، کام چوری اور آرام طلبی سے بچیں اور اس بات کے لیے فکرمند رہیں کہ ان کی کمائی حلال کمائی ہو۔

۲۔ وہ عوام کے سچّے خیرخواہ ہوں، اپنے آپ کو ان کے خدمت گزار سمجھیں اور اپنے عہدے کو لوگوں کو تنگ کرنے اور ان پر رعب ڈالنے کا ذریعہ نہ بنائیں۔

۳۔ قومی دولت اور قومی املاک کا جتنا حصّہ ان کی تحویل میں ہو اس کی پوری پوری حفاظت کریں، اسے ضائع ہونے سے بچائیں، اسے صحیح مصارف

Marfat.com

پر صرف کریں اور اس میں سے ایک پیسہ بھی ناجائز طور پر لینے کے روادار نہ ہوں۔

۴۔ اپنے عہدے سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے غیر شرعی طور پر کنبہ پروری نہ کریں۔

۵۔ رشوت خوری سے اپنے دامن کو پورے طور پر پاک رکھیں۔

فرض شناسی

سرکاری ملازموں کی حیثیت حکومت کے کل پرزوں کی سی ہوتی ہے۔ اگر یہ کل پُرزے اپنے اپنے کام کو پورے طور پر اور صحیح طریقے سے سرانجام دیتے ہیں تو حکومت کی مشین ٹھیک چلتی رہتی ہے اور جن مقاصد کے لیے حکومت قائم کی جاتی ہے، وہ پورے ہوتے رہتے ہیں لیکن اگر یہ کل پرزے آرام طلبی، کام چوری اور فرض ناشناسی کا شکار ہو جائیں، کام کے اوقات کو دوستوں کے ساتھ گپیں ہانکنے، ذاتی کاموں کے لیے اِدھر اُدھر پھرنے اور مختلف اقسام کی دلچسپیوں میں حصہ لینے پر ضائع کرتے رہیں اور جو اختیارات قومی کاموں کو بہتر طور پر سرانجام دینے کے لیے دیے گئے ہوں ان کے ذریعے ذاتی فوائد حاصل کرنے میں مصروف رہیں اور سرکاری کام کریں بھی تو بس اتنا ہی جس سے کم کرنے میں پکڑے جانے کا خطرہ ہو تو پھر اس قسم کے سرکاری ملازم ایک طرف تو اس حکومت کی بدنامی کا باعث بنتے ہیں جس سے ان کا تعلق ہوتا ہے اور دوسری طرف اس علاقے کی کمزوری کا باعث بنتے ہیں جس کے باشندوں کے حقوق وہ تلف کر رہے ہوتے ہیں۔

Marfat.com

عوام کی خیر خواہی اور خدمت گزاری

جہاں تک عوام کی خیر خواہی اور خدمت کرنے کا تعلق ہے، سرکاری ملازموں کو یاد رکھنا چاہیے کہ یہی وہ کام ہے جس کے لیے سرکار نے انہیں ملازمت دے رکھی ہے۔ کیونکہ سرکاری ملازمین کو جن کاموں پر متعین کیا جاتا ہے ان کا مقصد عوام کی جان، مال اور عزّت کی حفاظت کرنا، انہیں اچھی تعلیم و تربیت دینا اور ان کی مختلف ضروریات کو پورا کرنا ہوتا ہے۔ سرکاری ملازموں کو عام لوگوں کی نسبت جو زیادہ اختیارات حاصل ہوتے ہیں، وہ بھی انہیں اسی لیے دیے جاتے ہیں کہ ان سے کام لے کر وہ عوام کے فائدے کے کام بہتر طریقے سے سرانجام دے سکیں۔ جو سرکاری ملازم اپنے عہدے کی بناء پر ملی ہوئی طاقت کو عوام کے ساتھ بے انصافی کرنے، ان پر رعب ڈالنے اور ان پر ظلم کرنے پر استعمال کرتا ہے وہ بہت بڑا خائن ہے کیونکہ اس عہدے کی امانت اسے عوام کی خدمت کرنے کے لیے دی گئی تھی نہ کہ ان پر ظلم کرنے کے لیے۔

قومی دولت کی حفاظت

عدیؓ بن عمیرہ کندی بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ تم لوگوں میں سے جس کو ہم کسی کام کا والی بنائیں (یعنی سرکاری طور پر وہ خدمت اس کے سپرد کی جائے) پھر وہ ایک سوئی یا اس سے بھی کوئی چھوٹی چیز ہم سے چھپالے تو یہ خیانت ہوگی اور قیامت کے دن وہ اسے لے کر آئے گا۔ اس پر انصار میں سے ایک سیاہ رنگ کا مرد اٹھ کھڑا ہوا، گویا کہ میں اُسے دیکھ رہا ہوں، اور اس

Marfat.com

نے کہا کہ یا رسول اللہؐ اپنا یہ کام (جس پر آپؐ نے مجھے والی بنایا ہے) مجھ سے واپس لے لیجئے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ کیوں کیا بات ہے۔ اس نے عرض کیا کہ میں نے آپؐ کو ایسے اور ایسے فرماتے سنا ہے (یعنی یہ فرماتے سنا ہے کہ سوئی یا اس سے بھی چھوٹی چیز چھپا لینے پر بھی قیامت کے دن مواخذہ ہوگا، اس لیے بہتر یہی ہے کہ میں والی نہ بنوں) حضورؐ نے فرمایا کہ میں اب بھی وہی کہتا ہوں کہ تم میں سے جس کو بھی ہم کسی کام کا والی بنائیں اُسے ہر چھوٹی بڑی چیز لے کر حاضر ہونا ہوگا، پھر جو اسے دیا جائے وہ لے لے اور جو نہ دیا جائے اس سے باز رہے (بطور خود ہی کسی چیز کا مالک بن بیٹھے گا تو یہ خیانت ہوگی۔)

(مسلم)

کسی شخص کو کسی کام کا والی بنانے کا مطلب یہ ہے کہ سرکاری طور پر وہ کام اُس کے سپرد کیا جائے تاکہ وہ اسے سرانجام دے۔ یہ سرکاری کام کئی اقسام کے ہوتے ہیں۔ مثلاً علاقوں کا بندوبست کرنا یا حکومت کے خزانے کے لیے مالیہ ٹیکس وغیرہ وصول کرنا یا صاحب نصاب لوگوں سے زکوٰۃ وصول کرنا وغیرہ۔ اب یہ رقوم وغیرہ جو سرکاری ملازم حکومت کے خزانے کے لیے وصول کرتے ہیں۔ یہ انہیں جوں کی توں حکومت کو پہنچانی ہوتی ہے۔ باقی رہا ان کی خدمت کا اجر یعنی تنخواہ یا وظیفہ وغیرہ تو یہ حکومت انہیں خود دے گی۔ اب جو سرکاری ملازم سرکاری خزانے کے لیے جمع کی ہوئی رقوم وغیرہ میں سے ایک پائی بھی بطور خود لے لے گا، وہ خیانت کار سمجھا جائے گا اور قیامت کے دن اُس سے اس کا مواخذہ ہوگا،

Marfat.com

اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ سرکاری مال میں خورد برد کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔ ذیل کی حدیث میں بھی یہی مضمون بیان ہوا ہے:

عبداللہ بن بریدہؓ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص کو ہم کسی (سرکاری) کام پر عامل بنائیں (یعنی وہ خدمت اس کے سپرد کریں) اور اس کی کچھ تنخواہ مقرر کر دیں۔ پھر اس (تنخواہ) کے علاوہ جو کچھ وہ (بطور خود) لے لے گا، وہی خیانت ہے۔

(ابو داؤد)

گذشتہ اوراق میں گزر چکا ہے کہ فرض شناس اور دیانت دار حکمران بڑی فکر مندی سے قومی خزانے کی حفاظت کرتے تھے۔ اب جو سرکاری رقوم، تھوڑی یا زیادہ، سرکاری ملازموں کی حفاظت اور اختیار میں ہوتی ہیں، وہ بھی آخر قومی خزانے ہی کا حصہ ہوتی ہیں۔ لہٰذا فرض شناس اور دیانتدار حکمرانوں کی طرح فرض شناس اور دیانت دار سرکاری ملازمین کا بھی فرض ہے کہ ان رقوم کی پوری پوری حفاظت کریں۔

واضح رہے کہ قومی دولت صرف روپے پیسے ہی کی شکل میں نہیں ہوتی بلکہ اشیاء کی شکل میں بھی ہوتی ہے۔ ان اشیاء میں سے جن اشیاء کے استعمال کی سرکاری ملازموں کو سرکاری طور پر اجازت نہ ہو، انہیں استعمال کرنا بھی خیانت ہے۔ قلم و کاغذ سے لے کر حکومت کی گاڑیوں اور نقل و حرکت کے ذرائع تک کوئی شے بھی سرکاری ملازم اس وقت تک استعمال کرنے کا حقدار نہیں جب تک اسے استعمال کرنے کی اجازت نہ ہو۔ اگر کوئی گاڑی وغیرہ کسی ملازم کو اس لیے دی گئی ہے کہ وہ اسے سرکاری کاموں کے لیے استعمال کرے تو پھر اسے ذاتی کاموں

Marfat.com

میں استعمال کرنا یا گھر والوں کے استعمال میں دے دینا بھی بد دیانتی ہے۔ ایک دفعہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا ایک غلام سرکاری ڈاک کے جانور پر ایک شخص کو سوار کر کے لے آیا تو آپ نے اسے بلایا اور فرمایا کہ جب تک تو اس کا کرایہ بیت المال میں جمع نہیں کرے گا تو یہاں سے ہل نہیں سکتا۔

کنبہ پروری سے بچنا

اسلام میں اس بات کو بہت بڑی نیکی قرار دیا گیا ہے کہ انسان اپنے رشتے داروں سے محبت رکھے اور انہیں ہر ممکن اور جائز فائدہ پہنچانے کی کوشش کرے، مگر یہ تمام فائدے اپنی ذاتی ملکیت سے پہنچائے جائیں گے۔ سرکاری ملازمین کا اپنے عہدوں سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے سرکاری مال اور املاک سے اپنے رشتے داروں کے گھر بھرنا اور حقداروں کے حقوق چھین کر اپنی اولاد اور اپنے کنبے والوں کو فائدے پہنچانا بہت بڑی بد دیانتی ہے۔ مثال کے طور پر اگر کسی اعلیٰ افسر نے اپنا عملہ بھرتی کرنا ہو اور وہ لائق اور اہل امیدوارو کے مقابلے میں اپنے نالائق اور نا اہل رشتے داروں کو چن لے یا کسی منصف نے کسی مقدمے کا فیصلہ کرنا ہو اور وہ اپنے مجرم رشتے داروں کو بری کر دے تو یہ حد درجے کی خیانت اور بد دیانتی ہے۔ بسا اوقات ایسے ہوتا ہے کہ حکومت کی طرف سے کسی اعلیٰ افسر کو اختیار دیا جاتا ہے کہ وہ سرکاری زمینوں کو نیلام کرے یا بیچے تو وہ زیادہ مستحق لوگوں کو نظر انداز کر کے اپنے غیر مستحق رشتے داروں میں زمین تقسیم کر دیتا ہے۔ اسی مثال پر دوسرے امور کو بھی قیاس کیا جا سکتا ہے۔ مختصر یہ کہ اپنے عہدے کو آلۂ کار بنا کر اپنی اولاد اور اپنے رشتے داروں کو ناجائز فوائد پہنچانے صریح طور پر خیانت اور بد دیانتی ہے۔ وہ نیکوکار لوگ جن کے دلوں میں خدا کی جناب

Marfat.com

میں حاضر ہو کر اپنے اعمال کا جواب دینے کا احساس گہرا ہوتا تھا ان امور کے بارے میں از حد محتاط رہتے تھے۔

حضرت عمر فاروق رضؓ نے حضرت ہرم بن حیان عبدی کو کوئی عہدہ دیا۔ سرکاری عہدیداروں کے لیے ان کے عزیز و اقارب بہت بڑی آزمائش بن جاتے ہیں، کیونکہ وہ ان سے مختلف اقسام کے فوائد حاصل کرنے کے متمنی ہوتے ہیں اور دوسرے لوگوں کی جائز و ناجائز سفارشیں ان کے پاس لاتے ہیں۔ حضرت ہرم نے اس خطرے کا تدارک یوں کیا کہ اپنے مکان کے آگے آگ جلوادی۔ آگ ان کے اور باہر سے آنے والوں کے درمیان حائل ہو گئی۔ پھر جب ان کے رشتے دار اور احباب آئے تو ان تک پہنچ نہ سکے کیونکہ راستے میں آگ جل رہی تھی۔ حضرت ہرم نے انہیں دیکھ کر فرمایا۔ "آئیے آئیے، تشریف لائیے"۔ وہ کہنے لگے کہ "کیسے آئیں، راستے میں تو آگ جل رہی ہے"۔ اس پر حضرت ہرم نے فرمایا کہ "تم اتنی سی آگ بھی پار نہیں کر سکتے مگر مجھے جہنم کی دہشت ناک آگ میں جھونکنا چاہتے ہو"۔ آپ کی مراد یہ تھی کہ رشتے داری اور دوستی کی بنا پر جو غلط کام تم مجھ سے کراؤ گے، وہ مجھے جہنم کی دہشت ناک آگ کا مستحق بنا دیں گے۔

ایسے ہی حضرت ابوبکر رضؓ نے جب یزید بن ابی سفیان کو فوج کی کمان دے کر شام کی طرف بھیجا تو نصیحت فرمائی۔ "اے یزید، تمہارے کچھ عزیز اور رشتے دار ہیں، ہو سکتا ہے کہ تم ذمہ داریاں دینے میں انہیں ترجیح دینے لگو۔ میرے نزدیک تمہارے لیے سب سے زیادہ اندیشے اور خوف کی بات یہی ہے"۔

کاموں کو لٹکائے رکھنے سے پرہیز

بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ جو فیصلے یا کام اُن کے

Marfat.com

سپرد ہوتے ہیں انہیں مناسب وقت کے اندر اندر سرانجام دینے کے بجائے انہیں لٹکائے چلے جاتے ہیں۔ یہ صورت حالات متعلقہ لوگوں کے لیے سخت تکلیف کا باعث بنتی ہے۔ کسی کام کو کرتے ہوئے ضرورت سے زیادہ دیر لگانی بھی عوام کو تنگ کرنے کی ایک شکل ہے، جو ایک قابل، دیانتدار اور فرض شناس افسر کے شایانِ شان نہیں۔ یہی خرابی ہے جس میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اپنے ذیل کے فرمان کی طرف اشارہ فرمایا ہے، جو آپ نے کوفے کے گورنر کی طرف بھیجا تھا۔

"میرا خیال ہے کہ اگر میں تجھے لکھوں کہ فلاں آدمی کو ایک بکری دے دے تو تُو مجھے لکھے گا کہ نر دُوں یا مادہ۔ اگر میں لکھ بھیجوں کہ کوئی ایک دے دے، تو تُو پھر یہ پوچھنے لگے گا کہ چھوٹی ہو یا بڑی۔ اگر میں جواب دوں کہ کوئی ایک ہو، تو تُو پھر ایک خط دوڑائے گا کہ بھیڑ ہو یا بکری۔ جب میں نے ایک بار لکھ دیا کہ ایسا کر تو اپنی صوابدید پر اس کی تعمیل کر، میری طرف بار بار رجوع کرنے کی حاجت نہیں۔"

اچھا مشورہ

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس سے مشورہ لیا جائے، وہ امانت دار ہے۔ (ابوداؤد)

یعنی جس شخص نے اُس کی خیر خواہی یا قابلیت پر بھروسہ کر کے اُس سے مشورہ لیا ہے اس نے گویا اس کے پاس امانت رکھوائی ہے۔ اب اس کے امانت دار ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ مشورہ کرنے والے کے اُس راز کو فاش نہ کرے جو اُس نے اُسے بتایا ہے اور پوری خیر خواہی اور دیانتداری سے اسے مشورہ دے۔ حکومت کے کام خوش اسلوبی سے سرانجام

Marfat.com

دہینے کے لیے عام سطح پر بھی اور اعلیٰ سطح پر بھی میٹنگیں ہوتی رہتی ہیں جن میں باہمی صلاح و مشورے سے اہم امور کے بارے میں فیصلے کیے جاتے ہیں۔ ایک دیانتدار سرکاری ملازم کا فرض ہے کہ جب کبھی اسے رائے دینے کا موقع ملے، ذاتی فوائد سے بالا ہو کر وہ رائے دے جو ملک و ملّت کے لیے مفید ہو۔ لبسا اوقات ایسے ہوا کہ مشورہ اور رائے دینے والوں کی خود غرضی اور بددیانتی کے باعث ایسے قدم اٹھا لیے گئے جو ملک و ملّت کے لیے سخت مضر ثابت ہوئے۔

حضرت عائشہ رضؓ بیان کرتی ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ تم میں سے جو شخص کسی کام کا والی بنایا جائے (یعنی کسی خدمت کو سرانجام دینے کے لیے کوئی عہدہ اس کے سپرد کیا جائے) اور اللہ اس کے ساتھ بھلائی کرنا چاہتا ہو تو وہ اسے نیک وزیر عطا فرما دے گا کہ اگر وہ (کوئی ضروری اور مفید کام کرنا) بھول جائے گا تو وزیر اُسے یاد دلا دے گا اور اگر اسے (اپنے فرائض) یاد ہوں گے تو وزیر (انہیں سرانجام دینے میں) اس کی مدد کرے گا۔ (نسائی)

حقیقت یہ ہے کہ کسی حکمران یا صاحبِ اقتدار اور بااختیار انسان کا اپنے اختیارات سے کام لے کر اچھے اور مفید کام کرنا یا بُرے اور مُضر طریقے اختیار کر لینا عموماً منحصر ہوتا ہے اس بات پر کہ اُس کو مشورہ دینے والے اور اُس کے مقرب لوگ کیسے ہیں۔ اگر یہ مشورہ دینے والے نیک نیّت اور ملک و ملّت کے خیر خواہ ہوں گے تو وہ صاحبِ اقتدار شخص عدل و انصاف سے کام لے گا اور مفید کام کرے گا، لیکن اگر یہ مشیر ہی خود غرض، بدنیّت اور

Marfat.com

ذاتی مفاد کو ملک و ملّت کے مفاد پر ترجیح دینے والے ہوں گے، تو وہ حکمران یا صاحبِ اختیار شخص اُن کے زیر اثر غلط اور مُضر کام کرنے شروع کر دے گا اور بُرے مشورے ملک و ملّت کے ساتھ خود اس نادان کو بھی برباد کر کے رہیں گے۔ لفظ وزیر کا مطلب ہے بوجھ اُٹھانے والا، مدد کرنے والا۔ جس شخص کو کوئی خاص خدمت انجام دینے کے لیے عہدہ دیا جائے، اُس عہدے کی ذمّہ داریاں ادا کرنے میں جو شخص اس کا مددگار ہوگا وہ گویا اس کا وزیر ہوگا کہ وہ اس کام کو انجام دینے میں اس کا ہاتھ بٹا رہا ہوگا۔ کسی ذمّہ دار شخص کے کام میں امداد دینے کی ایک اہم شکل یہی ہے کہ اُسے اچھا مشورہ دیا جائے۔ جس مشیر نے کسی ذمّہ دار شخص کو اچھا مشورہ دیا وہ دیانتدار ہے۔

رشوت خوری سے پرہیز

اپنی کسی باطل غرض یا ناحق مطالبے کو پورا کروانے کے لیے کسی صاحبِ اختیار شخص کو مال وغیرہ دے کر اپنے حق میں ہموار کر لینا بھی خیانت اور بد دیانتی کی ایک گھناؤنی شکل ہے جسے عرفِ عام میں رشوت کہا جاتا ہے۔ سود کی طرح رشوت کے معاملے میں بھی واضح کر دیا گیا ہے کہ اس کا لینا بھی گناہ ہے اور دینا بھی۔ معاشرے میں رشوت خوری پھیل جانے کا نتیجہ عموماً یہی ہوتا ہے کہ حقداروں کے حقوق چھن جاتے ہیں اور اُن کو مل جاتے ہیں جو حقدار نہیں ہوتے۔ ایک دیانتدار سرکاری ملازم کے لیے جن چیزوں سے خاص طور پر پرہیز لازمی ہے، ان میں ایک یہ رشوت خوری ہے۔

سورۃ النساء آیت ۲۹ میں ارشاد ہوا ہے:

لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ "آپس میں ایک دوسرے کے مال

بَیۡنَکُمۡ بِالۡبَاطِلِ اِلَّاۤ اَنۡ تَکُوۡنَ تِجَارَۃً عَنۡ تَرَاضٍ مِّنۡکُمۡ وَلَا تَقۡتُلُوۡۤا اَنۡفُسَکُمۡ ؕ

باطل طریقوں سے مت کھاؤ۔ لین دین ہونا چاہیے آپس کی رضا مندی سے۔ اور اپنے آپ کو قتل نہ کرو۔"

"باطل طریقوں سے مراد وہ تمام طریقے ہیں جو خلاف حق ہوں اور شرعاً اور اخلاقاً نا جائز ہوں...... آپس کی رضا مندی سے مراد یہ ہے کہ لین دین نہ تو کسی نا جائز دباؤ سے ہوا ورنہ فریب و دغا سے۔ رشوت اور سود میں بظاہر رضا مندی ہوتی ہے مگر فی الواقع وہ رضا مندی مجبورانہ ہوتی ہے اور دباؤ کا نتیجہ ہوتی ہے...... (یہ جو فرمایا گیا ہے کہ اپنے آپ کو قتل نہ کرو) تو یہ فقرہ پچھلے فقرے کا تتمّہ بھی ہو سکتا ہے اور خود ایک مستقل فقرہ بھی۔ اگر پچھلے فقرے کا تتمّہ سمجھا جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ دوسروں کا مال نا جائز طور پر کھانا خود اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈلتا ہے۔ دُنیا میں اس سے نظامِ تمدّن خراب ہوتا ہے اور اس کے بُرے نتائج سے حرام خور آدمی خود بھی نہیں بچ سکتا اور آخرت میں اس کی بدولت آدمی سخت سزا کا مستوجب ہو جاتا ہے۔ اور اگر اس فقرے کو ایک مستقل فقرہ سمجھا جائے تو اس کے دو معنی ہیں۔ ایک یہ کہ ایک دوسرے کو قتل نہ کرو اور دوسرے یہ کہ خود کشی نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ نے الفاظ ایسے جامع استعمال کیے ہیں اور ترتیب کلام ایسی رکھی ہے کہ اس سے یہ تینوں مفہوم نکلتے ہیں اور تینوں حق ہیں۔" (تفہیم القرآن)

حضورؐ نے بھی اپنے فرامین کے ذریعے رشوت خوری کی برائی واضح فرمائی ہوئی ہے:

Marfat.com

حضرت عبداللہ رضؓ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلّم نے رشوت دینے والے اور رشوت لینے والے (دونوں) پر لعنت فرمائی ہے۔ (ترمذی)

حضرت مُعاذؓ بن جبل بیان کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلّم نے مجھے (والی بنا کر) یمن کی طرف بھیجا۔ پھر جب میں چل پڑا تو میرے پیچھے ایک آدمی بھیجا، لہٰذا میں لوٹ کر آیا تو آپؐ نے فرمایا کہ کیا تمہیں معلوم ہے کہ میں نے تمہارے پیچھے آدمی کیوں بھیجا۔ (اور) فرمایا کہ (میں نے تمہیں یہ تاکید کرنی تھی کہ) میری اجازت کے بغیر تم ہرگز کوئی شے (تحفے میں) نہ لینا، کیونکہ یہ خیانت ہے اور جو کوئی خیانت کرے گا تو وہ قیامت کے دن اُس شے کو، جس کے معاملے میں اُس نے خیانت کی ہوگی، ساتھ لے کر آئے گا۔ یہی کہنے کے لیے میں نے تمہیں بلایا تھا (اب اپنے کام پر جاؤ۔ (ترمذی)

اَبُو حُمَیدؓ ساعدی بیان کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلّم نے ایک شخص کو (قبیلہ) بنو سلیم کی زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے عامل بنا کر بھیجا۔ اس شخص کو اِبنُ اللُّتبِیّہ پکارا جاتا تھا۔ پھر جب وہ (واپس) آیا تو حضورؐ کو حساب دیا (یا حضورؐ نے اس سے حساب لیا) تو کہنے لگا کہ یہ آپ لوگوں کا مال ہے اور یہ تحفہ ہے (جو مجھے دیا گیا ہے) اس پر رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ اگر تو سچا ہے تو تُو اپنے ماں باپ کے گھر کیوں نہ بیٹھا رہا کہ تیرا ہدیہ تیرے پاس آتا۔ پھر حضورؐ نے ہمیں خطبہ

Marfat.com

دیا۔ پس آپؐ نے خدا کی تعریف کی اور اس کی ثناء بیان کی اور پھر فرمایا: اَمّا بَعدُ، بے شک میں تم لوگوں میں سے کسی شخص کو ان کاموں میں سے جو خدا نے میرے سپرد فرمائے ہیں، کوئی کام سرانجام دینے کے لیے عامل بناتا ہوں، پھر وہ آتا ہے اور (جو سرکاری آمدنی وہ لاتا ہے اس کے بارے میں) کہتا ہے کہ یہ آپ لوگوں کا مال ہے اور یہ تحفہ ہے جو مجھے دیا گیا ہے۔ تو پھر وہ اپنے ماں باپ کے گھر میں کیوں نہ بیٹھا رہا کہ اس کا تحفہ اسے پہنچ جاتا۔ خدا کی قسم تم میں سے جو شخص بھی کوئی ایسی شے لے گا جس پر اس کا حق نہ ہوگا تو وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملے گا کہ وہ چیز اُس پر سوار ہوگی۔ میں تم میں سے ایک آدمی کو پہچان لوں گا جو اللہ کو اس حال میں ملے گا کہ بلبلاتے اُونٹ یا چلاتی گائے یا ممیاتی بکری کو اپنے اُوپر سوار کیے ہوگا (کیونکہ اُس نے زندگی میں اُس جانور کو خیانت سے حاصل کیا ہوگا) پھر حضورؐ نے اپنے ہاتھ بلند کیے، یہاں تک کہ آپؐ کی بغلوں کی سفیدی نظر آنے لگی (یعنی ہاتھوں کو بہت بلند کیا) اور آپؐ کہہ رہے تھے کہ اے خدا کیا میں نے (تیرا پیغام تیری مخلوق کو) پہنچا دیا؟ (اس حدیث کے راوی ابو حُمیدؓ ساعدی بیان کرتے ہیں کہ میری آنکھوں نے (حضورؐ کو ایسے کرتے) دیکھا اور میرے کانوں نے (حضورؐ کو ایسا فرماتے) سُنا۔ (بخاری)

اس حدیث سے واضح ہو جاتا ہے کہ سرکاری ملازم لوگوں سے وہ ہدیہ لینے کا حقدار نہیں جو اُسے محض اس لیے دیا گیا ہے کہ وہ سرکاری ملازم ہے

Marfat.com

یہی شخص اگر اپنے ماں باپ کے گھر بیٹھا ہوتا اور سرکاری ملازم نہ ہوتا تو لوگ اُسے ہدیہ دینے اس کے ماں باپ کے گھر کبھی نہ جاتے۔ مقصد یہی ہے کہ اپنے سرکاری عہدے کے ذریعے اس قسم کے فوائد اٹھانے ناجائز ہیں۔ حضورؐ نے یہاں اونٹ اور گائے اور بکری کا ذکر اس لیے فرمایا ہے کہ اس زمانے میں مال زیادہ تر جانوروں کی شکل میں ہوتا تھا۔ اونٹ اور گائے اور بکری کا ذکر کرنے سے مراد یہی ہے کہ مال نہ لیا جائے جس شکل میں بھی ہو۔ آجکل نقدی کا زیادہ رواج ہے، کسی اور زمانے میں مال کی کوئی اور خاص شکل زیادہ مروّج ہو سکتی ہے۔ مقصود یہی ہے کہ جو سرکاری ملازم عوام سے اس طرح وہ تحائف لے گا جنہیں لینے کا اُسے حق نہیں قیامت کے دن وہ اُس ناجائز آمدنی کو ساتھ لے کر آئے گا جو اس دن اس کی رسوائی اور عذاب کا ذریعہ بنے گی۔

رشوت وہ آفت ہے کہ جس معاشرے میں پھیل جائے اس میں رہنے والوں کی زندگی اجیرن ہو جاتی ہے، کیونکہ جب تک رشوت نہ دی جائے حقدار کو اپنا حق بھی نہیں ملتا اور جو حقدار نہیں ہوتے وہ رشوت دے کر وہ کچھ حاصل کر لیتے ہیں جو درحقیقت کسی اور کا حق ہوتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ بعض اوقات رشوت کے ذریعے چور، غاصب، فریبی، قاتل اور خونی بچ نکلتے ہیں اور بے گناہ پکڑے جاتے ہیں۔ کسی معاشرے میں جتنی رشوت عام ہوتی جائے عوام کی بے چینی اور اضطراب میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ لہٰذا ایک دیانتدار سرکاری ملازم کا فرض ہے کہ اپنے دامن کو رشوت کی آلودگی سے پاک رکھے۔

Marfat.com

قاضی کی دیانت

معاشرے میں امن وامان قائم رکھنے کے لیے عدل وانصاف کا قیام نہایت ضروری ہے۔ جہاں حکمران عوام کے ساتھ انصاف کریں اور ایسا بندوبست موجود ہو کہ عوام بھی ایک دوسرے کے ساتھ بے انصافی نہ کر سکیں، وہاں لوگ مطمئن رہیں گے کہ انہیں اُن کے حقوق مل رہے ہیں۔ لہٰذا ایسا معاشرہ مضبوط ہوگا۔ لوگ اپنے اپنے کاموں میں مصروف رہیں گے اور شور وشغب کرنے، فتنہ وفساد مچانے اور بغاوتیں کرنے کی طرف مائل نہیں ہوں گے۔ لیکن جب معاشرے میں بے انصافی کا دور دورہ ہوگا، حکمران عوام کے ساتھ بے انصافی کریں گے اور عوام کو بھی کھُلی چھُٹی ہوگی کہ ایک دوسرے کے حقوق پر ڈاکے ڈالتے پھریں، وہاں لوگوں میں محفوظ ہونے کا احساس ختم ہو جائے گا، لوگ اپنے روزمرّہ کے کام دلجمعی سے انجام نہیں دے سکیں گے، بے چینی عام ہو جائے گی اور دیر سویر فتنہ وفساد پیدا ہو کر رہے گا۔

یہ حقائق سرکاری ملازمین کے اس حصّے کی اہمیّت بہت بڑھا دیتے ہیں جو لوگوں کے درمیان عدل وانصاف قائم کرنے اور اُن کے باہمی جھگڑوں کے فیصلے کرنے پر متعیّن ہوتا ہے۔ چاہے وہ نائب تحصیلدار ہوں یا تحصیلدار یا مجسٹریٹ یا سول جج یا سیشن جج یا ہائیکورٹ کے جج یا سپریم کورٹ کے جج۔ عربی زبان میں ایسے لوگوں کے لیے لفظ "قاضی" استعمال ہوتا ہے جو قضاء سے ہے، جس کا مطلب ہے فیصلہ کرنا۔ لہٰذا قاضی وہ شخص ہے جو لوگوں کے باہمی جھگڑوں کے فیصلے کرتا ہے۔ دوسرے سرکاری ملازمین کی طرح قاضی کے لیے بھی ازحد ضروری ہے کہ رشوت

Marfat.com

لے کر غلط فیصلے نہ کرے اور پورے پورے طور پر
عدل و انصاف سے کام لے۔ عدل کا مطلب ہے سیدھا کرنا، انصاف کرنا، برابر کرنا، حقدار کو اس کا حق دینا۔ کلام پاک اور احادیث میں عدل کی بہت تاکید آئی ہے۔ جب کسی معاشرے سے عدل غائب ہو جاتا ہے تو پھر وہ ظلم و ستم اور فتنہ و فساد کا اکھاڑہ بن جاتا ہے۔ سورۃ النساء آیت ۵۸ میں فرمایا گیا ہے:

"اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں اہل امانت کے سپرد کرو اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ کرو۔ اللہ تم کو نہایت عمدہ نصیحت کرتا ہے اور یقیناً اللہ سب کچھ سنتا اور دیکھتا ہے"۔

سورۃ المائدہ آیت ۸ میں ارشاد ہوا ہے:

"اے ایمان لانے والو، اللہ کی خاطر راستی پر قائم رہنے والے اور انصاف کی گواہی دینے والے بنو۔ کسی گروہ کی دشمنی تمہیں اتنا مشتعل نہ کر دے کہ انصاف سے پھر جاؤ۔ عدل کرو، یہ خدا ترسی سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے"۔

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص لوگوں کے درمیان قاضی بنایا گیا وہ بغیر چھری کے ذبح کیا گیا۔ (ابوداؤد)

اس پُر معنی جملے میں حضورؐ نے جس حقیقت کو بیان فرمایا ہے وہ یہ ہے کہ جو شخص قاضی بنے گا اس پر یہ ذمہ داری آ پڑے گی کہ بغیر کسی کا بے جا لحاظ یا طرفداری کیے حتی الامکان ٹھیک ٹھیک اور عدل و انصاف کے مطابق فیصلے کرے۔ نہ غلط قسم کی سفارش سے متاثر ہو، نہ رشوت لے، نہ

Marfat.com

مقدّمے پر غور و فکر کرنے میں سُستی کرے اور نہ بے علمی سے فیصلہ کرے۔ اب قاضی چونکہ اسی معاشرے کا ایک فرد ہوتا ہے جس میں رہنے والوں کے مقدّموں کا وہ فیصلہ کرتا ہے۔ اس لیے اس چیز کا خدشہ موجود ہوتا ہے کہ معاشرے میں کسی طرف سے اس پہ دباؤ پڑے اور اسے غلط فیصلہ کرنے پر مجبور کیا جائے۔ پھر یہ بھی ممکن ہے کہ مجرم اس کا کوئی عزیز ہو یا اس مقدمے کا عدل و انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنے سے خود قاضی کے اپنے مفاد پہ زد پڑتی ہو۔ اب جو شخص ان آزمائشوں کا مقابلہ نہ کرسکنے کے باعث عدل و انصاف سے ذرا سا بھی ہٹے گا اور اس طرح اس کا فیصلہ کسی بیگناہ کے حقوق کے غصب ہو جانے کا ذریعہ بنے گا، وہ خدا کے نزدیک مجرم ہوگا۔ اسی حقیقت کو حضورؐ نے ان الفاظ میں بیان فرمایا کہ وہ بغیر چھری کے ذبح کیا گیا۔ یعنی اس پہ بہت بڑی ذمہ داری آپڑی اور وہ ایسی آزمائش کا شکار ہو گیا جس میں پورا اترنا مشکل ہے۔ اس نفیس انداز میں بات کرکے گویا حضورؐ نے قاضیوں کو تنبیہہ فرمائی ہے کہ اپنے کام کو پوری خدا ترسی سے، دنیاوی نفع و نقصان کے خیال سے بالا ہو کر، عدل و انصاف کے ساتھ سرانجام دیں۔

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر دن جس میں سورج طلوع ہوتا ہے، اس میں انسانوں کے ہر جوڑ پہ صدقہ دینا واجب ہو جاتا ہے (اور اگر کوئی شخص) لوگوں کے درمیان عدل کرے تو یہ بھی صدقہ ہے۔ (بخاری)

اللہ کی راہ میں خیرات کرنا بڑی فضیلت کی بات ہے، مگر ضروری نہیں کہ یہ خیرات مال ہی کی شکل میں ہو بلکہ یہ اعمال کی شکل میں بھی ہو سکتی ہے یعنی کوئی

Marfat.com

ایسا کام کرنا جس سے خدا کی مخلوق کو فائدہ پہنچے، خیرات کرنا ہی ہے اور اس خیرات کی ایک عمدہ شکل لوگوں کے درمیان عدل کرنا ہے۔ سنن نسائی میں ایک حدیث بیان ہوئی ہے جس میں حضورؐ کا فرمان ہے کہ "انصاف کرنے والے لوگ اللہ تعالیٰ کے پاس خدائے رحمٰن کی داہنی جانب نور کے منبروں پر ہوں گے"۔

حضورؐ کی احادیث کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ حضورؐ نے عدل و انصاف کے بارے میں کچھ ہدایات فرمائی ہیں۔

۱۔ حضرت ابوسعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک بدو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس قرض کا تقاضا کرتا ہوا آیا جو اس کا حضورؐ پر تھا۔ وہ حضورؐ کے ساتھ سختی سے بولا۔ یہاں تک کہ آپؐ سے کہنے لگا کہ میں آپؐ کو تنگ کروں گا، ورنہ میرا قرض ادا کریں۔ حضورؐ کے صحابہؓ نے اسے جھڑکا اور کہا کہ تیری خرابی ہو کیا تو جانتا ہے کہ کس سے بات کر رہا ہے۔ وہ کہنے لگا کہ میں تو اپنا حق مانگتا ہوں۔ اس پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے (اپنے صحابہؓ سے) فرمایا کہ تم حق والے کا ساتھ کیوں نہیں دیتے۔ پھر آپؐ نے خولہؓ بنت قیس (صحابیہ) کے پاس کسی کو بھیجا اور کہلا بھیجا کہ اگر تمہارے پاس کھجوریں ہوں تو ہمیں قرض دے دو، یہاں تک کہ ہماری کھجوریں آجائیں تو ہم تمہارا قرض ادا کر دیں گے۔ انہوں نے کہا کہ میرے باپ آپؐ پر قربان ہوں یا رسول اللہؐ، ہاں (میرے پاس کھجوریں ہیں) پس انہوں نے حضورؐ کو کھجوریں قرض دیں اور حضورؐ نے اس بدو کا قرض ادا کر دیا اور اسے کھانا بھی کھلایا۔ اس پر وہ بدو کہنے لگا کہ آپؐ نے میرا

حق پورا دیا، اللہ آپؐ کو بھی پورا دے۔ اس پر حضورؐ نے فرمایا کہ وہ بہترین لوگ ہیں (جو دوسروں کا حق پورا پورا دیتے ہیں اور فرمایا کہ) وہ قوم کبھی پاک نہ ہوگی (یا کبھی پاک نہیں کی جائے گی) جس میں ناتواں لوگ پریشان ہوئے بغیر اپنا حق نہ لے سکیں۔

(ابن ماجہ)

اس حدیث سے جو ہدایت ملتی ہے وہ یہ ہے کہ کسی معاشرے کی اصل خوبی یہ ہے کہ اس میں کمزور لوگ بغیر زیادہ تگ و دو کیے اور پریشانی اٹھائے اپنا حق حاصل کر لیں۔ جس معاشرے میں کسی کمزور کو اپنا حق لینے کے لیے عدالتی چارہ جوئی کرتے ہوئے خرابیٔ بسیار میں سے گزرنا پڑے اور اتنا خرچ کرنا پڑے، گویا وہ انصاف حاصل نہیں کر رہا بلکہ اسے خرید رہا ہے، تو اس معاشرے میں صحیح معنوں میں عدل نہیں ہے، چاہے وہاں گلی گلی عدالتیں کیوں نہ قائم ہوں۔

۲۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ قریش ایک مخزومی عورت کے بارے میں فکر مند تھے، جس نے چوری کی تھی (اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا تھا) قریش نے کہا کہ کون اس کے بارے میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بات کرے۔ بعض نے کہا کہ اُسامہ بن زیدؓ سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو محبت ہے، اگر کچھ کہہ سکتے ہیں تو وہی کہہ سکتے ہیں۔ چنانچہ اُسامہؓ نے آپؐ سے اس کا ذکر کیا، تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا "کیا تم خدا کی حدود میں سے ایک حد کے بارے میں سفارش کرتے ہو؟" پھر آپؐ اٹھ کھڑے ہوئے

Marfat.com

اور خطبہ دیا۔ پھر فرمایا: "تم سے پہلی اُمّتیں اس لیے ہلاک ہو گئیں کہ ان میں جب کوئی شرف و عزّت والا آدمی چوری کرتا تھا تو اس کو چھوڑ دیتے تھے اور جب کوئی کمزور آدمی چوری کرتا تو اس کو سزا دیتے تھے۔ خدا کی قسم، اگر محمدؐ کی بیٹی فاطمہؓ بھی چوری کرتیں تو البتہ میں اُن کا بھی ہاتھ کاٹ دیتا۔" (بخاری)

اس حدیث سے جو ہدایت ملتی ہے وہ یہ ہے کہ قانون کی نگاہ میں امیر غریب، بڑا چھوٹا، عورت مرد، اعلیٰ خاندان سے تعلق رکھنے والا یا معمولی گھرانے کا فرد، رشتے دار یا غیر، سب برابر ہیں۔ قاضی کو انصاف کا فیصلہ کرنا ہوگا چاہے اس کی زد براہ راست اس کی اپنی اولاد ہی پر کیوں نہ پڑتی ہو۔ تاریخ اسلام کے مشہور قاضیوں میں قاضی شُریح بن حارث کا نام نامی بہت مشہور ہے۔ آپ نے ساٹھ برس تک یہ معزز عہدہ سنبھالے رکھا اور انتہائی خوش اسلوبی قابلیّت اور دیانت سے یہ خدمت سرانجام دی۔ آپ کے ایک لڑکے اور کچھ اور لوگوں کے درمیان کوئی جھگڑا تھا۔ لڑکے نے انہیں واقعات بتا کر پوچھا کہ اگر مقدمے میں کامیابی کی امید ہو تو دعویٰ کروں ورنہ خاموش رہوں۔ قاضی شُریح نے مقدمہ کی نوعیت پر غور کر کے اُسے دعویٰ کر دینے کا مشورہ دیا۔ لیکن جب مقدّمہ ان کے سامنے پیش ہوا تو انہوں نے بیٹے کے خلاف فیصلہ دے دیا۔ بعد میں بیٹے نے شکوہ کیا تو فرمایا کہ جانِ پدر، تم مجھے اُن لوگوں جیسے روئے زمین بھر کے آدمیوں سے زیادہ عزیز ہو، لیکن خدا مجھے تم سے زیادہ عزیز ہے۔ جب تم نے مجھ سے مشورہ کیا تو مقدّمہ دیکھنے کے بعد مجھے ان لوگوں کا حق نظر آیا۔ اگر میں اُسی وقت تم پر یہ بات ظاہر کر دیتا تو تم ان سے صلح کر لیتے اور ان لوگوں کا حق ضائع ہو جاتا۔ اس لیے

Marfat.com

میں نے مقدمہ کرنے کا مشورہ دے دیا تاکہ انہیں ان کا حق مل جائے۔

ایسے ہی ایک دفعہ قاضی شُریح کے ایک رشتے دار نے کسی شخص پر کوئی ناروا ظلم کیا۔ قاضی شُریح نے اسے ایک ستون کے ساتھ بندھوا دیا۔ جب وہ فیصلہ کر کے اٹھے تو اس شخص نے کچھ کہنا چاہا، تو آپ نے فرمایا کہ مجھے کچھ کہنے سننے کی ضرورت نہیں۔ اس لیے کہ میں نے تمہیں قید نہیں کیا بلکہ حق نے کیا ہے۔

۳۔ حضرت علی رضؓ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلّم نے مجھے قاضی بنا کر یمن کی طرف بھیجا۔ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ، آپؐ مجھے بھیج تو رہے ہیں مگر میں کم عمر ہوں اور مجھے قضاء (یعنی فیصلے کرنے کا علم) بھی نہیں آتا۔ حضورؐ نے فرمایا کہ اللہ تیرے دل کو ہدایت دے گا اور تیری زبان کو ثابت رکھے گا پس (تم اس بات کا دھیان رکھنا کہ) جب دو جھگڑنے والے (فیصلہ کرانے کے لیے) تمہارے سامنے بیٹھیں تو (صرف ایک ہی کی بات سُن کر) ہرگز فیصلہ نہ دے دینا، جب تک دوسرے کی بات بھی اسی طرح نہ سُن لو جس طرح پہلے کی سنی ہو (اگر تم ایسے کرو گے) تو (صحیح) فیصلہ کرنا تمہارے لیے زیادہ اچھی طرح واضح ہو جائے گا۔ حضرت علی رضؓ بیان کرتے ہیں کہ پھر میں فیصلے کرتا رہا یا (انہوں نے یوں) کہا کہ اس کے بعد مجھے کوئی فیصلہ کرنے میں کبھی تنگ نہ ہوا۔ (ابوداؤد)

اس سے یہ ہدایت ملتی ہے کہ قاضی کے لیے ضروری ہے کہ فیصلہ کرنے اور سنانے سے پہلے مدّعی اور مدعا علیہ دونوں کی باتیں اچھی طرح سن لے اور صرف ایک ہی کی بات سن کر فیصلہ نہ دے دے۔ کیونکہ جس نے دعویٰ کیا

Marfat.com

ہے اُس نے تو وہی باتیں بتائی ہوں گی جو اس کے حق میں جاتی ہوں گی۔ اب جب تک دوسرے شخص کی باتیں بھی نہ سن لی جائیں، پوری صورتِ حالات سامنے نہیں آتی۔

۴۔ حضرت عمروؓ بن عاص بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب فیصلہ کرنے والا فیصلہ کرے اور خوب غور و فکر کر کے کرے۔ پھر ٹھیک فیصلے پر پہنچے تو اس کے لیے دو اجر ہیں۔ اور جب وہ فیصلہ کرے اور خوب سوچ سمجھ کرے مگر ٹھیک فیصلے پر نہ پہنچ سکے (یعنی فیصلہ غلط ہو) تو (بھی) اس کو ایک اجر ملے گا۔ (ابوداؤد)

اس سے جو ہدایت ملتی ہے وہ یہ ہے کہ قاضی کو فیصلہ کرتے ہوئے اپنی طرف سے اچھی طرح سوچ سمجھ سے کام لے لینا چاہیے اور بغیر سوچے سمجھے جلد بازی سے فیصلہ نہیں دے دینا چاہیے۔ فیصلہ دیتے ہوئے اس طرح جب وہ اپنی حد تک اچھی طرح سوچ سمجھ لے گا تو اس طرح سوچنے سمجھنے پر قوّت صرف کرنے سے اسے اجر ملے گا۔ اب اگر فیصلہ غلط بھی ہوگیا تو بھی اسے اپنی اس نیک نیّتی کا ثواب مل جائے گا۔

۵۔ حضرت ابوبُریدہؓ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قاضی تین قسم کے ہوتے ہیں۔ ان میں سے ایک جنّت میں جائے گا اور دو دوزخ میں۔ جہاں تک جنت میں جانے والے کا تعلق ہے، یہ وہ شخص ہے جس نے حق کو پہچانا اور اس کے مطابق فیصلہ کیا (اس کے برعکس جس شخص نے حق کو پہچان تو لیا مگر فیصلہ کرتے

Marfat.com

ہوئے ظلم سے کام لیا، تو وہ دوزخ میں جائے گا، اور (ایسے ہی) جس شخص نے لوگوں کے درمیان نادانی سے فیصلے کیے، وہ بھی دوزخ میں جائے گا۔ (ابوداؤد)

اس فرمان سے دو ہدایتیں ملتی ہیں۔ ایک یہ کہ جان بوجھ کر ایسا فیصلہ نہ کیا جائے جس سے حقدار کا حق تلف ہو جائے۔ جس نے ایسا کیا وہ بہت بڑا ظالم ہے اور دوزخ کا مستحق ہے۔ ایسے ہی نادانی سے فیصلے کرنے بھی لوگوں پر ظلم کرنا ہے۔ اس سے بھی پرہیز لازمی ہے ورنہ ایسا شخص بھی دوزخ ہی میں جائے گا۔

۶۔ طارق محاربی بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے کہا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلّم) یہ (قبیلہٗ) بنو ثعلبہؑ (کے لوگ) ہیں جنہوں نے زمانۂ جاہلیت میں (ہمارے) فلاں شخص کو قتل کیا تھا۔ آپؐ ان سے ہمارا بدلہ دلوائیے۔ اس پر حضورؐ نے اپنے دونوں ہاتھ (اتنے) بلند اٹھائے کہ میں نے آپؐ کی بغلوں کی سفیدی دیکھ لی اور فرمایا کہ ماں کے گناہ کا بدلہ بیٹے سے نہیں لیا جائے گا۔ آپؐ نے یہ بات دو دفعہ فرمائی۔

(نسائی)

زمانۂ جاہلیت میں عربوں کے ہاں رواج تھا کہ اگر کوئی شخص کسی کو قتل کر دیتا تو اگر قاتل کو قتل نہ کر سکتے تو اس کے کسی بے گناہ عزیز کو کر دیتے۔ حضورؐ نے یہاں اس بات کی وضاحت فرمائی ہے کہ ایسا کرنا انصاف کے خلاف ہے۔ سزا صرف اسی شخص کو ملے گی جس نے خود قصور کیا ہوگا۔ اس کے کسی عزیز کو اس کے گناہ کی سزا نہیں دی جائے

Marfat.com

گی۔ کلام پاک میں سورۃ الانعام کی آیت ۱۶۴ میں ارشاد ہوا ہے کہ:
لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی۔ "یعنی کوئی بوجھ اٹھانے والی کسی دوسری کا بوجھ نہیں اٹھائے گی۔"

Marfat.com

تاجر کی دیانت

انسانی معاشرے میں کسی ایک فرد کے لیے یہ ممکن نہیں کہ وہ اپنی ساری ضروریات خود ہی پوری کرلے۔ وہ معاشرے کو کوئی شے بنا کر دیتا ہے یا اس کی کوئی خدمت بجا لاتا ہے اور اس کے عوض جو کچھ حاصل کرتا ہے اس سے اپنی ضروریاتِ زندگی تاجروں سے خریدتا ہے۔ انسان غور کرے تو پتہ چلتا ہے کہ ہم میں سے ہر ایک کا معاشرے کے جس طبقے سے انتہائی گہرا تعلق ہوتا ہے وہ تاجروں کا طبقہ ہے۔ ہر وہ شخص جو تجارت کرتا ہے تاجر ہے۔ چاہے وہ ایک معمولی چھابڑی والا ہو یا کسی بہت بڑے کاروباری ادارے کا مالک۔ زندہ رہنے کے لیے غذا حاصل کرنی ہو یا تن ڈھانکنے کے لیے کپڑا، علم حاصل کرنے کے لیے کتابیں درکار ہوں یا بیمار ہونے کی صورت میں دوائیاں، سر چھپانے کے لیے گھر بنانا ہو یا زندگی گزارنے کے لیے ناگزیر سازوسامان حاصل کرنا ہو، قدم قدم پہ ہمارا تاجروں سے تعلق قائم ہوتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ تجارت کرنے والوں کا عوام کی زندگی میں اتنا عمل دخل ہوتا ہے کہ وہ جب چاہیں ان کی زندگی اجیرن کر کے رکھ دیں۔ اُن کا تجارت میں دھوکہ فریب کرنا، اشیاء میں ملاوٹ کرنا، چور بازاری کرنا، مصنوعی طریقوں سے بازار میں سے ضروریاتِ زندگی کو غائب کر دینا، ناپ تول میں

Marfat.com

کمی کرنا، خالص شے کی قیمت وصول کر کے ناقص اشیاء بہم پہنچانا، ذخیرہ اندوزی کر کے اشیاء کی قیمتوں کو بڑھا دینا اور ایسی ہی اور بہت سی عیاریاں کرنا عوام کو شدید قسم کی مشکلات میں مبتلا کر دیتا ہے۔ اسی لیے تاجروں کو امانت و دیانت کی خصوصی طور پر ہدایت کی گئی ہے۔ کیونکہ عوام کا اُن سے اتنا گہرا رابطہ ہوتا ہے کہ ان کا دیانتدار ہونا پورے معاشرے کی زندگی میں آسانی اور سہولت پیدا کر دیتا ہے۔ تاجروں کی دیانتداری کے تقاضے یہ ہیں کہ:

۱۔ ناپ تول میں کمی نہ کریں۔

۲۔ ملاوٹ سے باز رہیں اور عیب والی چیز نہ بیچیں سوائے اس کے کہ گاہک کو اس عیب سے آگاہ کر دیں۔

۳۔ خرید و فروخت کے معاملے میں سچ بولیں اور جھوٹی قسمیں نہ کھائیں۔

۴۔ ذخیرہ اندوزی نہ کریں وغیرہ۔

ناپ تول

سورۃ بنی اسرائیل آیت ۳۵ میں فرمایا گیا ہے:

"پیمانے سے دو تو پورا بھر کر دو اور تولو تو ٹھیک ترازو سے تولو۔ یہ اچھا طریقہ ہے اور بلحاظ انجام بھی یہی بہتر ہے۔"

سورۃ ہود آیت ۸۵ میں حضرت شعیبؑ اپنی قوم کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں:

"اے میری قوم ٹھیک ٹھیک انصاف کے ساتھ پورا ناپو اور تولو اور لوگوں کو ان کی چیزوں میں گھاٹا نہ دیا کرو اور زمین میں فساد نہ پھیلاتے پھرو۔"

سورۃ المطففین کے شروع میں ناپ تول میں کمی کرنے والوں کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے:

"تباہی ہے ڈنڈی مارنے والوں کے لیے، جن کا حال یہ ہے کہ جب

Marfat.com

لوگوں سے لیتے ہیں تو پورا پورا لیتے ہیں اور جب انہیں ناپ کر یا تول کر دیتے ہیں تو انہیں گھاٹا دیتے ہیں۔"

یحییٰ بن سعیدؒ بیان کرتے ہیں، کہ حضرت سعیدؓ بن مُسیّب فرماتے تھے کہ جب تو ایسے ملک میں آئے جہاں کے لوگ پورا پورا ناپتے اور تولتے ہوں تو وہاں زیادہ رہ اور جب تو ایسے ملک میں آئے جہاں کے لوگ ناپ تول میں کمی کرتے ہوں، تو وہاں کم رہ۔ (مؤطا)

جہاں ایمانداری سے پورا ناپا جائے گا اور پورا تولا جائے گا وہاں خدا کی طرف سے خیر و برکت ہوگی۔ لہٰذا وہاں زیادہ رہنا مفید ہوگا۔ مگر جس علاقے کے لوگ ناپ تول میں دغابازی کرکے ایک دوسرے کو نقصان پہنچانے کے درپے رہیں گے وہاں دیر سویر خدا کا غضب نازل ہو کر رہے گا۔ اس لیے اس علاقے سے جلد چلے جانا چاہیے۔

سُوَیدؓ بن قیس بیان کرتے ہیں کہ میں اور مخرمہ عبدی (مقام) ہجر سے کپڑا لے کر آئے تو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے اور ہم سے ایک پائجامے کا بھاؤ کیا۔ میرے پاس ایک تولنے والا آدمی تھا جو اُجرت پر تولا کرتا تھا۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تولنے والے سے فرمایا کہ تول اور جھکتا ہوا تول۔ (ترمذی)

جب چیز وزن کے ٹھیک مطابق ہو تو ترازو کے دونوں پلڑے ایک سیدھ میں ہوتے ہیں اور جب چیز والا پلڑا جھکا ہوا ہو تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ چیز وزن سے زیادہ ہے۔ حضورؐ نے تولنے والے سے یہ جو فرمایا کہ تول،

Marfat.com

اور جھکتا ہوا تول، تو اس کا مطلب یہ تھا کہ خریدار کو اس کی خریدی ہوئی شے نہ صرف پوری دے بلکہ کچھ زیادہ دے۔ یہ تاجرانہ ایمانداری کی نہایت ہی پسندیدہ شکل ہے کہ گاہک کو کچھ زیادہ دے دیا جائے تاکہ چیز کے کم ہونے کا اندیشہ بالکل نہ رہے۔

ملاوٹ اور عیب والی چیز نہ بیچنا

حضرت ابوہریرہ رضی بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ایک اناج کے ڈھیر پر ہوا۔ آپ نے اپنا ہاتھ اس میں ڈالا تو آپ کی انگلیوں کو تری محسوس ہوئی (کیونکہ اناج اندر سے گیلا تھا) آپ نے فرمایا کہ اے اناج والے، یہ کیا ہے (یہ اناج تو اندر سے گیلا ہے) اس نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ، اس پر بارش ہو گئی تھی۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ پھر اس گیلے حصّے کو اناج کے اوپر کیوں نہ رکھا تاکہ لوگ اسے دیکھ لیتے (اور آپ نے فرمایا کہ) جس نے دھوکا دیا وہ مجھ سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ (مسلم)

تجارت میں دھوکا دینے کی ان گنت اقسام ہیں جن سے مقصود یہی ہوتا ہے کہ تاجر زیادہ سے زیادہ مال حاصل کر لے چاہے اس سے گاہک کو کتنا ہی نقصان کیوں نہ پہنچتا ہو۔ اس میں ایک قسم یہ بھی ہے کہ اناج وغیرہ گیلا کر دیا جائے جس سے اس کا وزن بڑھ جاتا ہے اور تاجر اصل مال سے زیادہ کی قیمت وصول کر لیتا ہے۔ اشیاء میں ملاوٹ کرنا بھی درحقیقت اسے عیب دار بنانا ہی ہے۔ غذاؤں میں خصوصاً دوائیوں میں ملاوٹ کرنا گویا انسانی جانوں سے کھیلنا ہے۔ دوائیوں میں ملاوٹ کرنے والوں کے متعلق

Marfat.com

۔ تو یہی کہا جا سکتا ہے کہ مال و دولت کی حرص نے انہیں بالکل اندھا، بہرا اور مخبوط الحواس کر دیا ہوتا ہے۔ حرام کمائی حاصل کرنے کی لت اُنہیں اتنا بے ضمیر کر دیتی ہے کہ انہیں کبھی اس بات کا خیال بھی نہیں آتا کہ کتنے بیگناہ مریضوں کا خون ان کے کندھوں پر لدتا چلا جا رہا ہے۔

ایسے ہی جس ملک کے تاجر بد دیانت ہوں وہ دنیا میں اپنی ساکھ کھو بیٹھتا ہے اور بدنام ہو جاتا ہے اور پھر یہ چیز انجام کار اس کی تجارت کو بھی شدید نقصان پہنچاتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جو تاجر غیر ممالک کو اشیاء بھیجتے ہیں وہ جب نمونے اچھے دکھاتے ہیں مگر آرڈر آنے پر جو مال فراہم کرتے ہیں وہ ناقص کرتے ہیں، تو دوسرے ممالک کے دلوں سے اس ملک کا اعتماد اٹھ جاتا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پھر وہ ممالک اس ملک سے مزید اشیاء نہیں خریدتے بلکہ بسا اوقات ایسے بھی ہوتا ہے کہ اس قسم کا ناقص مال اس ملک کو واپس کر دیا جاتا ہے جو انجام کار ملک کے لیے شدید نقصان کا باعث بنتا ہے۔

سوچا جائے تو دھوکا دینے والا تاجر درحقیقت احمق ہوتا ہے۔ کیونکہ اپنے آپ کو زیادہ فائدہ پہنچانے کے لیے جب وہ بے ایمانی سے کام لیتا ہے تو اس سے اس کی اپنی تجارت ہی کو نقصان پہنچتا ہے۔ ہم دیکھ سکتے ہیں کہ جب کسی تاجر کا بُرا نام نکل جائے تو اس کی اشیاء کی مانگ بھی کم ہو جاتی ہے۔ اس کے برعکس جو تاجر اپنی دیانت داری کے لیے مشہور ہو اس کی تجارت بھی چمک اٹھتی ہے کیونکہ گاہک وہیں جانا چاہتے ہیں جہاں انہیں اس بات کا یقین ہو کہ انہیں نقصان نہیں پہنچایا جائے گا۔

عُقبہ بن عامر بیان کرتے ہیں کہ کسی شخص کے لیے جائز نہیں کہ

Marfat.com

وہ کوئی ایسی چیز بیچے جس کے متعلق اسے معلوم ہو کہ اس میں عیب ہے سوائے اس صورت کے کہ خریدار کے سامنے اس عیب کو بیان کر دے۔ (بخاری)

جب تاجر خریدار کو عیب سے آگاہ کر دے گا تو پھر تاجر کی ذمہ داری ختم ہو جائے گی۔ اب اگر خریدار عیب جاننے کے باوجود اس عیب دار چیز کو خرید لے تو اس کی مرضی۔ لیکن اگر تاجر عیب کو چھپائے گا اور خریدار اس شے کا عیب جانے بغیر اسے خرید لے گا تو پھر تاجر گنہگار رہے۔

سچ بولنا

حضرت حکیم رضی اللہ عنہ بن حزام بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیچنے والے اور خریدنے والے کو (سودا قائم رکھنے یا توڑ دینے کا) اختیار ہے جب تک کہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں۔ اگر ان دونوں نے (ایک دوسرے سے) سچ بولا اور (سودے کے معاملے میں ضروری باتوں کو ایک دوسرے پر) واضح کر دیا تو انہیں ان کی اس خرید و فروخت میں برکت ہو گی، لیکن اگر جھوٹ بولا اور (ایک دوسرے پر واضح کی جانے والی باتوں کو) چھپا گئے تو ان کی خرید و فروخت کی برکت جاتی رہے گی۔ (بخاری)

یعنی جب دو انسان آپس میں کوئی تجارتی لین دین کرتے ہیں تو اگر تو دونوں دیانتداری اور سچائی سے کام لیں تو ان کا یہ لین دین بڑا نفع بخش ہوتا ہے اور خدا اس میں برکت دیتا ہے۔ لیکن اگر وہ ایک دوسرے کو دھوکا دینے کی کوشش کریں تو اس لین دین کی برکت جاتی رہتی ہے اور وہ صحیح معنوں میں نفع بخش ثابت نہیں ہوتا۔

Marfat.com

اسمٰعیل بن عُبید بن رفاعہؓ اپنے باپ (عُبیدؓ) کے واسطے سے اپنے دادا (حضرت رفاعہؓ) سے بیان کرتے ہیں کہ حضرت رفاعہؓ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ عیدگاہ کی طرف گئے۔ حضورؐ نے لوگوں کو خرید و فروخت کرتے دیکھا تو فرمایا کہ اے تاجروں کے گروہ۔ اس پر ان سب نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلّم کی پکار پر لبیک کہی اور اپنی گردنیں اور اپنی نگاہیں آپؐ کی طرف اٹھائیں تو حضورؐ نے فرمایا کہ تاجر (قیامت کے دن) اللہ کے نافرمانوں (یا بدکاروں) کی حیثیت سے اٹھائے جائیں گے سوائے ان تاجروں کے جو اللہ سے ڈرتے رہے اور نیکی کی اور (اپنی خرید و فروخت کے معاملے میں) سچ بولا۔ (ترمذی)

اکثر دیکھا گیا ہے کہ تاجر لوگ اپنا سودا بیچنے کے لیے جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں اور اس طرح خود فائدہ حاصل کرنے اور گاہکوں کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں۔

حضرت ابو اُمامہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ جس نے اپنی (جھوٹی) قسم کے ذریعے کسی مسلمان شخص کا حق دبا لیا، اللہ نے اس کے لیے دوزخ واجب کر دی اور اس پر جنت حرام کر دی۔ اس پر ایک شخص نے آپؐ کی خدمت میں عرض کیا کہ اگرچہ وہ ذرا سی چیز ہو یا رسول اللہ؟ حضورؐ نے فرمایا کہ چاہے وہ پیلو کے درخت کی ایک شاخ ہو۔

(مسلم)

Marfat.com

ذخیرہ اندوزی

بعض تاجروں کا طریقہ ہے کہ کسی ایک سے زیادہ اشیا کا ذخیرہ کر لیتے ہیں اور انہیں بازار میں نہیں آنے دیتے۔ پھر جب بازار میں وہ چیز کم ہو جاتی ہے اور اس کی قیمت زیادہ ہو جاتی ہے تو وہ تاجر پھر اپنی ذخیرہ کی ہوئی چیزوں کو اسی زیادہ قیمت پر بیچ کر زیادہ نفع کماتے ہیں۔ اس طرح وہ اشیاء کی مصنوعی قلت پیدا کر کے عوام کو تکلیف میں مبتلا کرتے اور خود زیادہ دولت کماتے ہیں۔ یہ ذخیرہ اندوزی بھی حرص مال کی ایک مکروہ شکل ہے جسے گناہ سمجھا گیا ہے۔

حضرت معمر بن عبداللہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ذخیرہ اندوزی گنہگار ہی کرتا ہے۔ (مسلم)

ذخیرہ اندوزی کرنے والے تاجروں کے برعکس دیانتدار تاجروں کی کوشش یہی ہوتی تھی کہ ان سے کوئی ایسی بات نہ ہونے پائے جس سے دوسروں کو نقصان پہنچے۔ حضرت یونس بن عبید تابعی ریشمی کپڑے کی تجارت کرتے تھے۔ آپ کی تاجرانہ دیانت کے بہت سے واقعات کتابوں میں مذکور ہیں۔ ایک دفعہ ایک خاص مقام پر ریشم کا نرخ بہت چڑھ گیا۔ آپ نے ایک دوسرے مقام کے ریشم فروش سے تیس ہزار کا ریشم خریدا۔ بعد میں انہیں خیال آیا تو اس ریشم فروش سے پوچھا کہ کیا تمہیں فلاں مقام پر ریشم کے نرخ چڑھنے کی خبر آئی تھی۔ اس نے کہا کہ اگر مجھے معلوم ہوتا تو میں اپنا مال کیوں فروخت کرتا۔ یہ سن کر حضرت یونس بن عبید نے اپنے پیسے لے لیے اور اس کا مال اسے واپس کر دیا۔

تاجروں کو بددیانتی سے بچنے اور دیانتداری اختیار کرنے کی تلقین

Marfat.com

کرنے کے علاوہ حضورؐ نے

دیانتدار تاجر کی فضیلت بھی بیان فرمائی ہے، جو ایماندار تاجروں کے لیے ایک بہت بڑی خوش خبری ہونے کے باعث انہیں دیانتداری کرنے پر ابھارتی ہے۔

حضرت ابو سعیدؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ بہت سچ بولنے والا امانتدار تاجر (قیامت کے دن) انبیاءؑ، صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ ہوگا۔ (ترمذی)

اس کے علاوہ حضورؐ نے تاجروں کو خیرات کرنے کی نصیحت بھی فرمائی ہے:

قیسؓ بن ابی غرزہ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلّم ہمارے پاس تشریف لائے اور ہم لوگ دلّال کہلاتے تھے۔ مگر حضورؐ نے (ہمیں دلّال کہنے کے بجائے یہ) فرمایا کہ اے تاجروں کے گروہ، خرید و فروخت کے وقت شیطان اور گناہ (دونوں) حاضر ہوتے ہیں (یعنی خرید و فروخت کے وقت جھوٹ بولنے دھوکا دینے، خراب چیز بیچنے وغیرہ وغیرہ گناہوں کے ارتکاب کا خدشہ موجود ہوتا ہے) لہٰذا تم اپنی خرید و فروخت کو خیرات کے ساتھ ملادیا کرو۔ (ترمذی)

واضح رہے کہ خیرات کرنے سے دل سے زر کی محبّت دُور ہوتی ہے اور یہ زر ہی کی محبت ہوتی ہے جو انسان سے بے شمار گناہ کرواتی ہے اگر دل سے زر کی محبّت نکل جائے تو انسان اُن گناہوں سے بھی بچ جائے۔ دوسرے خیرات اللہ تعالیٰ کے غصّے اور غضب کی آگ کو بجھاتی ہے۔

Marfat.com

لہٰذا حضورؐ نے خیرات کرنے کی تلقین فرمائی۔ حدیث کے شروع میں حضورؐ کے اخلاق عالیہ کی طرف بھی اشارہ ہے کہ جو لوگ "دلّال" کہلاتے تھے حضورؐ نے انہیں "تاجر" کہہ کر مخاطب فرمایا، جو زیادہ عزت کا لفظ تھا۔

واضح رہے کہ مندرجہ بالا لوگوں کے علاوہ معاشرے میں اور بھی بہت سے طبقات ہوتے ہیں اور ان سب کے لیے بھی ضروری ہے کہ امانت و دیانت سے کام لیں مگر طوالت سے بچنے کے لیے اُن کا ذکر نہیں کیا گیا۔ جو کچھ بیان ہو چکا ہے، اسی پر دوسرے طبقات کو بھی قیاس کیا جا سکتا ہے۔ اب آئندہ اوراق میں حضورؐ کی دو احادیث پیش کی جا رہی ہیں، جن میں آپؐ نے دیانتداری کی دو درخشاں مثالیں بیان فرمائی ہیں۔

Marfat.com

دیانت کی درخشاں مثالیں

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ ایک شخص نے کسی دوسرے شخص سے اس کی زمین خریدی۔ جس شخص نے وہ زمین خریدی اس نے اس میں ایک گھڑا پایا، جس میں سونا تھا۔ زمین خریدنے والے نے زمین کے پہلے مالک سے کہا کہ تم مجھ سے اپنا سونا لے لو، کیونکہ میں نے تم سے زمین خریدی تھی، تم سے سونا مول نہیں لیا تھا۔ زمین کا (پہلا) مالک (بھی ویسا ہی دیانت دار تھا جیسا دوسرا، وہ) کہنے لگا کہ میں نے تو زمین اور جو کچھ زمین میں تھا، سب تیرے ہاتھ فروخت کر دیا تھا۔ پس (زمین کا دوسرا مالک وہ سونے کا گھڑا پہلے کو دینا چاہتا تھا اور پہلا لینے پر آمادہ نہ تھا۔ لہٰذا) دونوں نے کسی اور شخص کو پنچ بنایا (تاکہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کر دے) جس شخص کو انہوں نے پنچ بنایا تھا، اس نے ان دونوں سے پوچھا کہ کیا تمہاری کوئی اولاد ہے۔ ان میں سے ایک نے کہا کہ میرا ایک لڑکا ہے اور دوسرے نے کہا کہ میری ایک لڑکی ہے۔ پنچ نے کہا کہ اس لڑکے کی شادی اس لڑکی سے کر دو اور اس مال کو انہیں پر خرچ کر دو اور بطور انعام کے (انہیں) دے دو۔ (بخاری)

Marfat.com

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی اسرائیل کے ایک شخص کا ذکر کیا کہ اس نے بنی اسرائیل کے کسی اور شخص سے درخواست کی کہ مجھے ایک ہزار دینار قرض دے دو۔ اس شخص نے کہا کہ میرے پاس گواہ لاؤ تاکہ میں انہیں (اس قرضے پر) گواہ بناؤں قرض مانگنے والے نے کہا کہ خدا گواہی دینے کے لیے کافی ہے۔ قرض دینے والے نے کہا کہ میرے پاس کوئی ضامن لاؤ۔ قرض لینے والے نے کہا کہ خدا کی ضمانت کافی ہے۔ قرض دینے والے نے کہا کہ تو نے سچ کہا۔ چنانچہ اس نے اُسے ایک معیّن مدّت کے لیے قرض دے دیا۔ پھر وہ قرض دار سمندری سفر پر چلا گیا اور اپنی حاجت پوری کی (اپنا کام ختم کرنے کے بعد) اس نے جہاز تلاش کرنا شروع کیا تاکہ اس پر سوار ہو کر اس معیّن مدّت کے اندر اندر، جو قرض دینے والے نے مقرر کی تھی، اس کے پاس واپس آجائے (اور اس کا قرض ادا کر دے) لیکن اسے کوئی جہاز نہ ملا۔ پس اُس نے ایک لکڑی لی اور اسے کھودا، پھر اس میں ہزار دینار اور اپنی طرف سے اپنے (قرض خواہ) دوست کے نام ایک خط رکھ دیا۔ پھر (جہاں سے کھودا تھا) اس جگہ کو (بند کر کے اُسے) ہموار کر دیا۔ پھر اُسے لے کر سمندر کی طرف آیا اور کہا کہ اے خدا، تو جانتا ہے کہ میں نے فلاں (شخص) سے ایک ہزار دینار قرض مانگا۔ اس نے مجھ سے ضامن مانگا تو میں نے کہا کہ اللہ کی ضمانت کافی ہے تو وہ تیری ضمانت پر راضی ہو گیا اور اس نے مجھ سے گواہ مانگا تو میں نے کہا کہ خدا گواہ ہونے کے لیے کافی ہے تو وہ تیری گواہی پر راضی ہو گیا۔ میں نے بہت کوشش کی کہ مجھے جہاز مل جائے تو اُسے وہ (مال) بھیج دُوں جو اس کا ہے

Marfat.com

لیکن مجھے کوئی جہاز نہیں ملا۔ لہٰذا (اب) میں اسے تیرے سپرد کرتا ہوں اور اس نے اس لکڑی کو سمندر میں پھینک دیا۔ یہاں تک کہ وہ پانی کے اندر چلی گئی۔ پھر وہ واپس لوٹا اور اس اثنا میں وہ اپنے علاقے کی طرف واپس جانے کے لیے جہاز تلاش کرتا رہا۔ (اُدھر) وہ شخص جس نے قرض دیا تھا (ایک دن) یہ دیکھنے کے لیے باہر نکلا کہ شاید کوئی جہاز اس کا مال لے کر آیا ہو، تو اس نے وہ لکڑی دیکھی جس میں مال تھا، تو اس نے اسے اپنے گھر والوں کے لیے ایندھن کے طور پر لے لیا۔ پھر جب اس نے اُسے چیرا تو اس میں مال بھی پایا اور خط بھی۔ پھر وہ شخص (بھی) آ گیا جس کو اس نے قرض دیا تھا اور وہ (مزید) ہزار دینار لے کر آیا اور کہا کہ خدا کی قسم، میں جہاز حاصل کرنے کے لیے مسلسل کوشش کرتا رہا تاکہ تیرے پاس تیرا مال لے آؤں مگر جس جہاز پر میں آیا ہوں اس سے پہلے مجھے کوئی جہاز نہ ملا۔ قرض دینے والے نے کہا کہ کیا تم نے مجھے کوئی شے بھیجی تھی؟ اس نے کہا کہ میں نے تمہیں بتایا ہی ہے کہ جس جہاز پر میں آیا ہوں اس سے پہلے مجھے کوئی جہاز نہیں ملا تھا۔ قرض دینے والے نے کہا کہ جو چیز تم نے لکڑی میں بھیجی تھی وہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری طرف سے ادا کر دی ہے۔ پس تو (یہ) ہزار دینار (جو تو اب لایا ہے) واپس لے جا اس حال میں کہ تو ہدایت یافتہ ہے۔ (بخاری)

حرفِ آخر

حکایت بیان کی جاتی ہے کہ ایک کتا کسی لوہار کی دکان پر آ نکلا۔ وہاں اس نے ایک ریتی دیکھی اور اپنی عادت کے مطابق اس پر زبان پھیری۔

Marfat.com

ریتی نے زبان کو زخمی کر دیا اور تھوڑا تھوڑا خون رِسنے لگا۔ خون کی نمکینی کتّے کو اچھی لگی۔ اس نے دوبارہ ریتی پہ زبان پھیری۔ زبان سے اب پہلے سے بھی زیادہ خون نکلا اور کتّے کو اس کی نمکینی اور زیادہ اچھی لگی۔ اس نے تیسری دفعہ زبان پھیری اور خون پہلے سے بھی زیادہ نکلنے لگا۔ بس پھر اس کتّے کو اس نمکینی کی ایسی چاٹ لگ گئی کہ زبان لہولہان ہوتی گئی مگر کتّا ریتی پہ زبان پھیرتا ہی رہا، یہاں تک کہ زبان ختم ہو کر رہ گئی۔!

یہی حال انسان کا ہے۔ وہ کچھ معمولی سی، ناپائیدار اور بالکل عارضی قسم کی لذّتیں حاصل کرنے کے لیے، جن کے ساتھ بے چینی کی لہر بھی اپنا کام کرتی رہتی ہے، اپنے دین، اپنے اخلاق، اپنی آبرو، اپنی آخرت اور اپنی دنیا سب کا خون کرتا رہتا ہے۔ یہاں تک، کہ یا تو خِزْیٌ فِی الدُّنْیَا اور عَذَابُ الْآخِرَۃ دونوں ہلاکتوں کا شکار ہو جاتا ہے یا کم از کم عَذَابُ الْآخِرَۃ کی ہلاکت کا مستحق تو ہو ہی جاتا ہے اور حضورؐ کے الفاظ میں "بدترین درجے والا" کا خطاب حاصل کر لیتا ہے۔

> حضرت ابو اُمامہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ کے نزدیک لوگوں میں سے بدترین درجے والا شخص وہ ہو گا جس نے اپنی دنیا کے لیے اپنی آخرت خراب کی۔ (ابن ماجہ)

مشاہدہ بتاتا رہتا ہے اور تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ بسا اوقات حیا اور پاک دامنی سے عاری لوگ اپنے والدین، اپنی اولاد، اپنے بہن بھائی، اپنے عزیز و اقارب اور اپنے دوست احباب تک کے لیے رسوائی کا ذریعہ بن گئے اور آخرت کا عذاب الیم اس کے علاوہ ہے۔ ایسے ہی

Marfat.com

لبسا اوقات جاہ و مال کے حریص، خائن، بددیانت، غاصب رشوت خور یہاں تک کہ غدّار بن کر اپنے قریبی حلقے کی بدنامی کے علاوہ ملک و ملّت کی بربادی کا باعث بھی ثابت ہوئے اور آخرت کی رسوائی اور اذیّتیں اس کے علاوہ ہیں!

اس کے برعکس جن خدا ترسوں نے اپنے آپ کو بدی، بے حیائی اور بددیانتی سے بچا لیا اور حیا و پاکدامنی اور امانت و دیانت کی رسّی کو مضبوطی سے پکڑے رکھا، انہوں نے اپنی آخرت بھی سنوار لی اور دنیا میں بھی اپنی ذات، اپنے خاندان، اپنے ملک اور اپنی ملّت سب کو عزّت، آبرو اور قوّت کے خزانے بہم پہنچا دیئے۔!!!

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ ربّ العلمین۔

Marfat.com

خواتین کے لیے دینی ادب

- زندگی بے بندگی شرمندگی (حصہ اوّل) آخرت — از بنت الاسلام
- 〃 〃 〃 (حصہ دوم) حبِ الٰہی — 〃
- 〃 〃 〃 (حصہ سوم) داعی کے اوصاف — 〃
- 〃 〃 〃 (حصہ چہارم) نفس کا تزکیہ — 〃
- 〃 〃 〃 (حصہ پنجم) صلوٰۃ وزکوٰۃ — 〃
- 〃 〃 〃 (حصہ ششم) صیام رمضان وحج بیت اللہ — 〃
- 〃 〃 〃 (حصہ ہفتم) حقوق العباد — 〃
- 〃 〃 〃 (حصہ ہشتم) علم — 〃
- 〃 〃 〃 (حصہ نہم) اخوتِ اسلامی — 〃
- 〃 〃 〃 (حصہ دہم) توّتیں — 〃
- 〃 〃 〃 (حصہ یازدہم) سراجؐ منیرؐ — 〃

انتخابِ احادیث

- اسوۂ حسنہ (حصہ اوّل) عقائد وعبادات — از بنت الاسلام
- 〃 (حصہ دوم) اخلاق — 〃
- 〃 (حصہ سوم) حقوق العباد، اخوتِ اسلامی، تزکیہ نفس، دعوتِ دین، جہاد — 〃

Marfat.com

سلسلۂ اخلاق اسلامی

۱۔ صبر از بنت الاسلام (۲) عفو از عفّت قریشی
۳۔ زبان کی حفاظت 〃 (۴) تکبّر و غرور سے پرہیز از بنت الاسلام

ناول اور افسانے

* زرسے ذات (ناول) از عفّت قریشی
* سہارا (ناول) از بنت الاسلام
* ذرا نم ہو تو یہ مٹی (ناول) 〃
* وہ غم اور ہوتے ہیں (افسانے) 〃

مجموعے

* انوار القرآن (آیات کا مجموعہ) از عفّت قریشی
* رَبَّنَا (دعاؤں کا مجموعہ) 〃
* صادقہ (احادیث کا مجموعہ) از بنت الاسلام

بچّوں کی کتب

* ہمارے نبیؐ از بنت الاسلام * باقی کون رہے گا؟ از فرات احسن
* سیّدناؐ 〃

Marfat.com